امین احسن اصلاحی نے نظم قرآن کے باعث ایک جیسی آیات مبارکہ یا آیات کے حصول کا مختلف مقامات پر مختلف ترجمہ کیا ہے جو قاری کو کھٹکتا ہے۔ مثلاً سورہ رحمٰن میں مندرجہ ذیل آیت کریمہ ۳۱ مرتبہ دہرائی گئی ہے:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ [55:13]

پس (اے انس وجاں) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (علامہ الازہری)

لیکن مولانا اصلاحی نے اس آیت مبارکہ کے متعدد تراجم کیے ہیں۔

(تو اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کن کن عنایتوں کو جھٹلاؤ گے

تو تم اپنے رب کی کن کن قدرتوں کو جھٹلاؤ گے؟

تو تم اپنے رب کی کن کن کرشموں کو جھٹلاؤ گے؟

تو تم اپنے رب کی کن کن شانوں کو جھٹلاؤ گے؟

تو تم اپنے رب کی کن کن عظمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

تو تم اپنے رب کی کن کن اختیارات کو جھٹلاؤ گے؟

تو تم اپنے رب کی کن کن عنایتوں کو جھٹلاؤ گے؟

تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یا ان کی تکذیب کرو گے؟

تو تم اپنے رب کی کن کن افضال کی تکذیب کرو گے؟

تو تم اپنے رب کی کتنی نوازشوں کو جھٹلاؤ گے؟

تو تم اپنے رب کے کتنے احسانات کو جھٹلاؤ گے؟

دراصل مولانا اصلاحی ربط آیات اور نظم قرآن کی غرض سے ایک ہی آیت مبارکہ کا مختلف انداز میں ترجمہ کیا ہے۔

تراجم کا ادبی مقام:

ابتدائی دور میں لکھے گئے قرآن کریم کے تراجم اس عہد کی ادق زبان میں تھے، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس طرح اردو زبان نے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے عوامی زبان کی روپ اختیار کیا تو بعض نامور ادیبوں نے قرآن پاک کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کا بیڑا اٹھایا، ان میں سیّد ابوالاعلیٰؒ اور مولانا

ابوالکلام آزادؒ کے نام قابل ذکر ہیں۔ان کے بعد پیر محمد کرم شاہ الازہری جیسے نابغۂ روزگار نے قرآن مجید کا ترجمہ کرتے وقت اردو زبان کی دلکشی اور سلاست کو بھی مدنظر رکھا۔لیکن یو۔ پی سے پاکستان ہجرت کر کے آنے والے مولانا اصلاحی کی زبان میں پنجاب کے ایک دورافتادہ اور پس ماندہ قصبے کے باسی علامہ الازہریؒ کی سی روانی نہیں پائی جاتی۔چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ [1:111]

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور خود (بھی) ڈھے گیا (مولانا اصلاحی)

ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا (علامہ الازہری)

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ [8:101] فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ [9:101]

اور جس کے پلے ہلکے تو اس کا ٹھکانہ کھڈ ہوگا (مولانا اصلاحی)

اور جس کے (نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا (علامہ الازہری)

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ [4:94]

اور تمہارا آوازہ تمہارے لیے بلند کیا (مولانا اصلاحی)

اور ہم نے بلند کردیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو (علامہ الازہری)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ [2:96]

پیدا کیا انسان کو خون کے تھکے سے (مولانا اصلاحی)

پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے (علامہ الازہری)

پیر محمد کرم الازہری کے ترجمۂ قرآن سے جب کوئی مصنف یا محقق ترجمہ نقل کرتا ہے تو وہ مکمل طور پر بامحاورہ نہیں ہوتا لیکن کسی بھی آیت مبارکہ کے اردو ترجمہ میں الفاظ کی ترتیب بدلنے سے خوبصورت جملہ بن جاتا ہے۔اگر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ایک ایسا ترجمہ بھی شائع کردے جس میں پیر صاحب کے ہی ترجمہ پر انحصار کرتے ہوئے جملوں کی ترتیب بدل دی جائے تو اس کی بڑی افادیت ہوگی۔کیونکہ درسی کتب میں بامحاورہ ترجمہ دیا جاتا ہے اس طرح درسی کتب کے مؤلفین اور محققین ان کا ترجمہ لے سکیں گے۔

اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی کا علیحدہ چھپنے والا ترجمہ قام قارئین کے لیے زیادہ قابل فہم نہیں۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ''تدبر قرآن'' سے ایسے الفاظ کے معانی حواشی پر دے دیے جائیں جن کا مولانا اصلاحی نے ترجمہ نہیں کیا۔ اس سے یہ ترجمہ عام قارئین کے لیے زیادہ آسان ہو جائے گا۔

حواشی

(۱) حسن نظامی، خواجہ، ''مشاہیر و مستند علماء کی آراء'' وحی منظوم از سیماب اکبرآبادی، (کراچی: سیماب اکیڈمی، ۱۹۸۱ء) فلیپ

(2) Daryabadi, Maulana Abdul Majid, Tafsir- ul- Qur,an (Islamic Fondition, n.d.)vol1p.1

(3) Gibb H.A.R. Modern Trends in Islam (chicago" The Universityof chicago pres ,1947)p.4

(4) Sultan Shah , Dr Muhammad Justice pir Muhammad Karam Shah al-Azhari and his Quranic Exegesis " Dia, al- Qur,an " (Lahore : Maktabah Jamal-e-karam, 2008) p.10

(۵) اصلاحی، ظفر الاسلام، ڈاکٹر، ''جامع کمالات شخصیت'' ماہنامہ ''تدبر'' لاہور، شمارہ ۶ (اپریل ۱۹۹۸ء) ص:۱۶

(۶) ایضاً

(۷) یہ ترجمہ مکتبہ انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام پہلی بار رحمن آباد لاہور سے شائع ہوا۔

(8) Justice pir Muhammad Karam Shah al- Azhari and his Quranic Exegesis " Dia, al- Qur,an (op cit p.4)

(۹) ایضاً، ص:۱۰

(۱۰) سلیم کیانی، ''فکر قرآنی کا راز دان'' ماہنامہ تدبر لاہور، اپریل ۱۹۹۸ء ص:۲۸

(۱۱) ملاحظہ ہو الازہری، پیر محمد کرم شاہ۔ جمال القرآن (لاہور ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ص۔ن)

(۱۲) اصلاحی، امین احسن (مترجم) قرآن مجید (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۷)

(۱۳) اصلاحی، امین احسن۔ تدبر قرآن (لاہور: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۱۹۷۶ء) جلد اول ص:۶

برصغیر میں منظوم تراجم قرآن ...... ایک تعارفی جائزہ

محمد سعید شیخ

ریسرچ اسسٹنٹ علماء اکیڈیمی، بادشاہی مسجد لاہور

قرآن مجید آنحضورﷺ پر عربی زبان میں نازل ہوا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بھی عربی تھی، نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ پورے جزیرۃ العرب کی زبان تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی بھی الہامی کتاب جب کسی پیغمبر پر نازل ہوتی ہے تو وہ اس وقت کی مروجہ زبان میں نازل ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾(۲)

قرآن مجید کے اولین مخاطب چونکہ عرب ہی تھے، اس لیے قرآن مجید کے دیگر زبانوں میں تراجم کی ضرورت پیش نہ آئی، مگر جونہی اسلامی فتوحات شروع ہوئیں اور اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر دور دراز علاقوں تک پھیل گیا تو پھر قرآنی تفہیم کے لیے تراجم کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

قرآن مجید کا ترجمہ کرنا انتہائی مشکل کام ہے، قرآنی آیات کا اگر خفیف سے خفیف جزو بھی نظر انداز ہو جائے یا بالکل معمولی قسم کا اضافہ ہو جائے تو وہ ترجمہ بجائے اجر وثواب کے موجبِ عذاب وعتاب بن جاتا ہے۔ اسی لیے ابتدائی دور کے علماء ومفسرین قرآن مجید کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنے سے اپنے دامن کو بچاتے رہے۔

قرآن مجید کے نزول کا مقصد چونکہ ہدایت ہے اور جن لوگوں کی زبان عربی نہ تھی ان کے لیے قرآن مجید کی تلاوت تو ممکن تھی مگر بلا واسطہ تفہیم ممکن نہ تھی، ان کے لیے قرآن مجید کی تلاوت اگرچہ باعثِ ثواب ہے مگر قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لیے قرآن کا فہم انتہائی ضروری ہے جو عوام الناس کے لیے ان کی زبان میں بغیر ترجمے کے ناممکن ہے۔ اس لیے قرآنی تراجم انتہائی ناگزیر ہو گئے۔

برصغیر میں قرآن پاک کے نمایاں تراجم میں، جو بعد کے لوگوں کے لیے بنیاد بنا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ترجمہ ہے، شاہ صاحب نے غالباً اٹھارہویں صدی عیسوی میں قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمے کا آغاز کیا، اس لیے کہ اس وقت برصغیر کی علمی زبان فارسی تھی۔ اُس وقت کے بعض علماء نے اس عمل کو بدعت گردانا اور حرمتِ قرآن کے خلاف جانا۔ مگر حضرت شاہ صاحب نے ملامت گروں کی ملامت اور نکتہ چینی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ترجمے کا کام جاری رکھا اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

برصغیر میں اردو تراجم کا آغاز اٹھارہویں صدی عیسوی کی آخری دہائی میں ہوتا ہے، جن میں قابلِ ذکر شاہ رفیع الدین دھلوی اور شاہ عبدالقادر دھلوی کے تراجم ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں تو کئی اردو تراجم یکے بعد دیگرے منظر عام پر آ گئے اور اب ایک لامتناہی سلسلہ چل نکلا ہے۔

قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں نثری ترجمہ کرنا ناممکن حد تک مشکل کام ہے، اس لیے کہ ہر زبان کا ایک مخصوص تاریخی وثقافتی پس منظر ہوتا ہے، ہر لفظ اور اصطلاح کے پس منظر میں معاشرتی وتاریخی روایات کا تسلسل ہوتا ہے جو محض ترجمہ کے ذریعہ کسی دوسری زبان میں منتقل نہیں ہوسکتا۔ عربی زبان کا معاملہ تو دیگر تمام زبانوں سے یکسر مختلف ہے۔ اس میں جتنی وسعت ہے دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہیں۔ عربی میں ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف بیسیوں معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک چیز کے لیے بھی کئی الفاظ ہیں اس کے علاوہ علوم قرآن کا مسئلہ الگ اور مستقل ہے۔ اس لیے قرآن مجید کی تفسیر کے لیے امام جلال الدین سیوطی کے نزدیک پندرہ علوم کا جاننا ضروری ہے۔ جب یہ تفسیر کا معاملہ ہے تو ترجمہ کا معاملہ اس سے بھی مشکل ہے، اسی وجہ سے علمائے کرام ایک طویل عرصے تک قرآن مجید کا ترجمہ کرنے سے اپنے آپ کو بچاتے رہے.

ا۔ قرآن کریم کے منظوم تراجم:

نظم میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنا بہت جان جوکھوں کا کام ہے، بلکہ منظوم ترجمہ بالکل ناممکن ہے۔ نثری ترجمہ میں تو بہر حال کچھ آسانی موجود ہوتی ہے۔ مترجم قافیہ، ردیف، اور وزن کی پابندیوں سے آزاد ہوکر چھوٹے بڑے فقروں میں مطلب اپنے لفظوں میں بیان کرسکتا ہے، نظم میں مترجم سے یہ آزادی سلب ہوجاتی ہے، ایک وزن، قافیے اور ردیف میں رہتے ہوئے اس کو قرآنی آیات کا ترجمہ کرنا ہوتا ہے۔ منظوم

ترجمہ یہ ایسی پُر خار وادی ہے کہ جس نے بھی اس میں قدم رکھا اس کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، بہت کم مترجمین اپنے دامن کو کانٹوں سے بچا سکے ہیں۔

بعض اوقات ضرورتِ شعری کی وجہ سے کسی لفظ یا فقرہ کا اضافہ کرنا پڑتا ہے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وضاحتی جملہ کی ضرورت پیش آجاتی ہے، ایسی صورت میں بعض مترجمین نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ اضافے کو قوسین یا واوین میں درج کر دیا ہے تاکہ اس کو ترجمہ سے ممتاز کیا جاسکے۔ مگر ایسا کم مترجمین نے کیا ہے اور جنہوں نے کیا بھی ہے تو سو فیصد اس کا اہتمام نہیں رکھ سکے ہیں۔

''منظوم تراجم'' سے ایک خرابی یہ بھی پیدا ہوئی کہ بعض مترجمین نے قرآنی آیات کو اشعار کی وجہ سے شعری انداز میں لکھا اور عملاً آیات بینات کو اشعار کے تابع کر دیا، بالخصوص ان تراجم میں جو تحت اللفظ ہیں۔ اس طریق سے کسی نااندیش کو قرآن پاک کے بھی شعر ہونے کا دھوکہ ہوسکتا ہے، حالانکہ قرآن مجید کوئی شعری مجموعہ نہیں، بلکہ یہ تو واضح کتابِ ہدایت ہے، مزید برآں اس طریق سے قرآن مجید و فرقانِ حمید کی بے ادبی لازم آتی ہے۔

''منظوم تراجم'' کے حوالے سے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں ترجمہ کی بجائے ''منظوم قرآنی مفہوم'' کہا جائے یا قرآنی مطالب کی منظوم ترجمانی گردانی جائے۔ یہ مسئلہ اس وقت بھی نظر آتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایسے کسی بڑے عالم دین نے منظوم ترجمہ کرنے کی سعی نہیں کی۔ اکثر ان شعراء نے اس مشکل کام کی جسارت کی جن کی قرآنی علوم پر مکمل دسترس تو کجا عربی زبان پر بھی عبور نہ تھا، انہوں نے کسی اردو منثور ترجمے کو مدنظر رکھ کر اس کو شعری قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی۔

جن شعراء کرام نے بھی منظوم تراجم کیے ہیں ان کی نیت میں شک نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے خلوص کے ساتھ اس کو قرآن مجید کی خدمت سمجھ کر کیا اور جواز کے لیے یہ دلیل پیش کی کہ اگر نثر میں ترجمہ ہوسکتا ہے تو پھر نظم میں کیوں نہیں؟ ''منظوم تراجم'' کے پیچھے سوچ یہ کارفرما ہوتی ہے کہ شعر و شاعری انسان کو زیادہ متاثر کرتی ہے اور نثر کی بجائے نظم کو یاد کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں منظوم تراجم کا آغاز کی سب سے زیادہ کوششیں ہوئیں۔

برصغیر میں اردو میں منظوم تراجم کا آغاز کب ہوا؟ سب سے پہلے منظوم ترجمہ کس نے کیا؟ شاید ان

سوالوں کا جواب دینا بہت مشکل ہے، راقم نے بساط بھر کوشش کے بعد چالیس سے زائد منظوم تراجم وتفاسیر کا سراغ لگایا ہے، ان میں کچھ تراجم مطبوعہ، کچھ غیر مطبوعہ، بعض مکمل اور بیشتر نامکمل ہیں۔ ذیل میں ان مترجمین ومفسرین کرام کے نام دیئے جارہے ہیں جنہوں نے قرآن مجید کی منظوم خدمت ترجمہ اور تفسیر کی شکل میں کی ہے:

۱۔مولوی عبدالسلام سلام بدایونی، ۲۔شاہ غلام مرتضیٰ جنون، ۳۔سیماب اکبرآبادی، ۴۔آغا شاعر قزلباش، ۵۔اثر زبیری، ۶۔شمیم رجز، ۷۔محمد ادریس کیف بھوپالی، ۸۔مولانا سید محمد محسن کلکتہ نے مکمل منظوم ترجمہ کیا اور منظر عام پر بھی آیا لیکن کہیں کہیں وہ فن شاعری کے اصولوں پر پورا نہیں اترتا (۳)، ۹۔عطا قاضی، ۱۰۔عبدالعزیز خالد، ۱۱۔نیساں اکبرآبادی، ۱۲۔قاری محی الدین، ۱۳۔جعفر علی، ۱۴۔مرزا قسیم بیگ، ۱۵۔راجہ حسن اختر جوہر آبادی (۴)، ۱۶۔مولوی مرزا ابرہیم بیگ چغتائی نے پہلے پارے کا منظوم ترجمہ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں شائع کیا (۵)، ۱۷۔مطیع الرحمٰن خادم علی گڑھی کا ترجمہ ''نظم المعانی ترجمہ کلام ربانی'' کے نام سے ۱۹۴۶ء میں آگرہ سے شائع ہوا (۶)، ۱۸۔عبدالرحمٰن عرشی نے پندرہ پاروں کا منظوم ترجمہ ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء میں کیا جس کا مسودہ گوالیار میں محفوظ ہے (۷)، ۱۹۔سید غضنفر علی سونی پتی کا پہلا منظوم پارہ، ۲۰۔صوفی محمد حسین سرہندی کا بھی پہلا منظوم پارہ (۸)، ۲۱۔پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری نے بھی منظوم ترجمہ بعنوان ''مفاہیم القرآن'' لکھا جو کہ مثنوی کے انداز میں ہے (۹)، ۲۲۔حکیم محمد اشرف کاندھلوی، ۲۳۔عبدالحی قادری نے ''جواہر التفسیر فی السیر والتذکیر'' کے نام سے اپنی منظوم تفسیر بنگلور سے ۱۳۰۰ھ کے اواخر میں شائع کی (۱۰)، ۲۴۔مولانا عبداللہ نے اپنی منظوم تفسیر ''خلاصۂ تفسیر القرآن'' کے نام سے ۱۳۱۶ھ میں آگرہ سے شائع کی (۱۱)، ۲۵۔غلام رسول نے اپنی منظوم تفسیر سورۂ یوسف لکھی جو ۱۲×۷ سائز کے ۲۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کا قلمی نسخہ مؤلف کے پوتے اور مشہور شاعر ن۔م راشد کے برادر خورد راجہ ایف۔ایم ماجد کے پاس محفوظ ہے، (۱۲)، ۲۶۔محبوب کگے زئی کی تفسیر القرآن (پارۂ اول منظوم) ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء میں لاہور سے شائع ہوئی، (۱۳)، ۲۷۔دانش فرازی کی آیاتِ فطرت (فاتحہ منظوم) ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں مدراس سے شائع ہوئی، (۱۴)، ۲۸۔علامہ کوثر وڑائچ (مکمل غیر مطبوعہ)، ۲۹۔محمد ظہور الحسن ظہور کا منظوم ترجمہ سورۂ فاتحہ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء شائع ہوا،

۳۰۔ابوالحسن حسن محمد کی منظوم تفسیر سورۃ الشفاء (فاتحہ) ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں دہلی سے شائع ہوئی، یہ کل ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، ۳۱۔مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پوتے مولانا محمد طاہر نے "تفسیر منظوم آیۂ کعبہ" لکھی جو ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں دہلی سے شائع ہوئی، یہ ۵x۷ کے ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے، ۳۲۔۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں غلام مرتضٰی رھتکی کی قلب القرآن (سورۂ یٰسین منظوم) لاہور سے شائع ہوئی (۱۵)، ۳۳۔خواجہ دل محمد، ۳۴۔دلاور فگار، ۳۵۔حاجی عمرالدین، ۳۶۔چوہدری رشید احمد، ۳۷۔میرزا خادم ہوشیار پوری، ۳۸۔عقیل روبی، ۳۹۔تنویر پھول، ۴۰۔ساجد مرادآدی، ۴۱۔قاضی محمد ایوب نادم (لاہور) غیر مطبوعہ۔ان کے علاوہ کچھ جزوی تراجم ایسے بھی ہیں جن کے مترجمین کے نام کا پتہ نہیں چل سکا ہے. جیسے ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ھ میں ایک جزوی منظوم ترجمہ بھوپال سے شائع ہوا(۱۶)، ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء میں امام غزالی کی تفسیر سورۂ یوسف کا منظوم اردو ترجمہ کانپور سے شائع ہوا (۱۷)۔

یہ تو ایک اجمالی فہرست ہے، ان میں سے تقریباً بیس تراجم وتفاسیر راقم کو دستیاب ہو سکے ہیں جن کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔اس مقالے کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے حصہ اول میں مکمل مطبوعہ تراجم، حصہ دوم میں غیر مطبوعہ مکمل تراجم اور حصہ سوم میں مطبوعہ جزوی تراجم کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض تراجم ایسے بھی ہیں جو ہیں تو مکمل مگر ان کا کچھ حصہ طبع ہوسکا ہے ایسے تراجم کا شمار مطبوعہ جزوی تراجم میں کیا ہے.

یہ کوئی حتمی فہرست نہیں ہے بلکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ کچھ تراجم کا ذکر اب بھی رہ گیا ہو۔البتہ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اب تک کی جو مطبوعہ فہارس ہیں، ان میں سب سے زیادہ یہ فہرست کفایت کرنیوالی ہے۔اب ذیل میں دستیاب تراجم کا قدرے تفصیل سے تعارف دیا جارہا ہے، اس میں اس بات کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے کہ مترجم کے مختصر حالات زندگی، ترجمہ کا اسلوب اور نمونہ کلام آجائے، نمونہ کلام مطبوعہ نسخہ کے مطابق تحریر کیا گیا ہے تاکہ مقالہ ہذا کو پڑھ کر قاری کے سامنے اس کی پوری تصویر آجائے، مشہور تراجم پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، وہ تراجم ہیں یا ترجمانی اس کا فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

۳۔مطبوعہ مکمل تراجم قرآن:

مطبوعہ مکمل تراجم کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اسذیلی عنوان کے تحت قرآن مجید کی ان منظوم تفاسیر کو بھی شامل کرلیا ہے جن میں منظوم تفسیر کے ساتھ ساتھ منظوم ترجمہ بھی شامل ہے۔ ویسے بھی کوئی منظوم تفسیر ایسی نہیں ہے جس میں کسی قدر منظوم ترجمہ نہ ہو۔

ا۔ ''زادالآ خرۃ'' از مولوی عبدالسلام سلام

آپ مولوی عبد السلام بدایونی سلاؔم کے تخلص سے پہچانے جاتے تھے۔ آپ نے ''زاد الآخرۃ'' کے عنوان سے مولوی محمد بخش (جج درجہ اوّل کانپور) کی تحریک اور مالی معاونت سے قرآن مجید کے منظوم ترجمے اور تفسیر کا آغاز ۱۲۴۴ھ میں کیا۔ آپ نے مسلسل پندرہ سال کی محنت سے ۱۲۵۹ھ میں قرآن مجید کا یہ منظوم ترجمہ اور تفسیر مکمل کی۔ اسے ترجمہ کم اور تفسیر زیادہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، ہر جلد دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ جلد اوّل حصّہ اوّل ابتداء سے سورۂ انعام تک ہے، جلد اوّل حصہ ثانی سورۃ الاعراف سے سورۂ کہف تک ہے۔ جلد دوم حصّہ اوّل سورۂ مریم سے سورۃ الصافات تک اور جلد دوم حصہ ثانی سورۂ ص سے والناس تک ہے۔ یہ تقسیم اس انداز سے کی گئی ہے کہ ایک حصہ ساڑھے سات پاروں پر مشتمل ہے۔

فاضل مصنف نے اس منظوم تفسیر پر ایک منظوم دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں اللہ جل مجدہٗ کی حمد، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور اولیاء کرام کی منقبت بیان کی گئی ہے۔

برصغیر کے منظوم تفسیری ادب میں اس ''زادالآخرۃ'' کو مکمل تفسیروں میں سب سے قدیم ترین تفسیر قرار دیا جاسکتا ہے۔ آج اسے تالیف ہوئے تقریباً ۱۶۶ سال کا عرصہ بیت گیا ہے۔

یہ تفسیر اپنی تکمیل کے تقریباً ۲۶ سال بعد پہلی مرتبہ ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ/ جون ۱۸۶۸ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے طبع ہوکر منصۂ شہود پر آئی۔

ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ اس وقت کے مروّجہ محاوروں کے مطابق مروجہ اندازِ کتابت میں لکھی گئی۔ مگر مرورِ ایام سے زبان و بیان میں تبدیلی ایک لازمی امر ہے۔ اس لیے اس میں اب بہت سے الفاظ اور محاورے ایسے ہیں جن کا استعمال یا تو بالکلیہ متروک ہوکر رہ گیا ہے یا بہت ہی قلیل استعمال ہوتے ہیں۔

یہ منظوم تفسیر قرآن مجید کی مکمل تفسیر ہے اور کہیں کہیں اس کے حواشی بھی ہیں جو فارسی میں ہیں۔ اس میں کوئی ایک

لاکھ اشعار ہیں جو ۱۶۱۷ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔اس میں متن قرآن مجید بھی لکھ دیا گیا ہے۔نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

آپ نے ﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ بِذَالِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝ ﴾ (۱۸) کی منظوم ترجمانی اس انداز سے کی ہے:

کہہ تو یوں اے محمد ممتاز بے گماں میری صلوٰۃ و نماز
اور حج میرا یا کہ قربانی یا میری بندگی یزدانی
اور میرا امر زیست اور حیات اور ایمان کے ساتھ میری ممات
حق تعالیٰ کے واسطے ہیں سب کہ وہ ہے جملہ عالموں کا رب
نہیں کوئی شریک اُس کا ہے عیب سے شرک کے مبرا ہے
اور اسی امر سے ہوں میں مامور اور میں ہوں پہلے مسلموں سے ضرور (۱۹)

۴۔نظم البیان المعروف ''منظوم اردو ترجمہ'' از شمس الدین شائق ایزدی

آپ کا نام شمس الدین شائق ایزدی اور لقب شمس الہند صوفی معنوی ہے۔آپ باب اکبری کوچہ بازار مفتی باقری لاہور میں رہتے تھے۔آپ غالباً ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے (۲۰)۔

آپ لاہور کے ایک خوش گوشاعر تھے،مگر فضول نظموں کے کہنے اور بے کار غزلوں کے لکھنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا، بلکہ اپنی شعری قابلیت کو اسلام کی خدمت میں لگایا۔۱۹۳۶ء میں لاہور میں انتقال ہوا (۲۱)۔

آپ نے مولانا روم کی مثنوی کی طرز پر ''منظوم اردو ترجمہ'' کے عنوان سے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کیا ہے، جو نہایت سلیس اور عام فہم ہے۔

سب سے پہلے آپ نے ''پہلے پارے'' کا منظوم ترجمہ ''نظم البیان فی مطالب القرآن'' کے نام سے کیا جو عوام میں بہت مقبول ہوا۔پھر کچھ عرصہ تک انقطاع آ گیا اور ترجمہ کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ ارباب علم کے مسلسل اصرار پر آپ نے دوبارہ ترجمہ کرنے کا کام شروع کیا۔پہلے پارے پر جو نظر ثانی شروع کی تو بالکل ایک نیا ترجمہ وجود میں آ گیا جو مثنوی کی طرز پر ہے (۲۲)۔

مولانا شائق ایزدی نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبد القادر اور حضرت شاہ رفیع

الدین کے تراجم کو پیش نظر رکھ کر قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کیا (۲۳) اور ہر ممکن کوشش کی کہ منظوم ترجمہ ان تینوں تراجم سے باہر نہ ہو اور کسی قسم کا اضافہ نہ کرنا پڑے۔ فاضل مصنف خود رقمطراز ہیں:

''حتی الامکان وحتی الوسع اصل ترجمہ سے زائد الفاظ کا کوئی استعمال نہیں کیا گیا۔ بظاہر جو کچھ الفاظ کسی جگہ کسی ضرورت سے لیے گئے ہیں وہ خاص اسی مطلب کو ادا کرنے کے لیے ہیں۔ وہ بھی خاص الفاظ قرآنی کے الف لام اور تنوینات وغیرہ کے ہی معنی ہیں'' (۲۴)۔

ان تراجم کے علاوہ کچھ اور تراجم بھی آپ کے پیش نظر تھے جن میں خاص طور پر مولانا عبدالحق حقانی کا ''ترجمۂ حقانی'' اور ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ۔ شائق ایزدی نے یہ ترجمہ آٹھ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۲۸ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ بمطابق ۱۱ستمبر ۱۹۲۳ء بروز سہ شنبہ بوقت ظہر مکمل کیا (۲۵)۔

یہ ترجمہ تین جلدوں میں کریمی پریس لاہور سے طبع ہوا۔ ہر جلد دس پاروں پر مشتمل ہے۔ اور کل صفحات ۲۹۶۶ ہیں۔

اس ترجمہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کا دیباچہ اور حواشی وغیرہ بھی منظوم ہیں سوائے ''ضروری التماس مؤلف'' کے کہ وہ منثور ہے۔ فاضل مترجم نے جو منظوم وضاحتی حواشی دیئے ہیں ان کا نام ''فرقان حمید'' رکھا ہے۔

اگر ضرورتِ شعری کی وجہ سے کوئی لفظ بڑھانا پڑا ہے تو فاضل مترجم نے اس کو قوسین میں لکھا ہے تاکہ قاری کو یہ معلوم ہو جائے کہ قوسین میں دیئے گئے الفاظ وضاحتی اور ضرورت شعری کی وجہ سے دیئے گئے ہیں۔ اس منظوم ترجمہ پر حواشی بالکل مختصر اور خال خال ہیں، اگر ایک جگہ کسی لفظ کی تشریح گزر چکی ہو اور دوسری جگہ دوبارہ وہ لفظ آجائے تو تشریح کرنے کی بجائے سابق تشریح کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ وہاں سے ملاحظہ کر لی جائے۔ مثلاً: ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ (۲۶) پر حاشیہ نمبر لگا کر فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:

لفظِ جِنّ کی شرح اور تفصیل کو
ذیل کی آیات میں بھی دیکھ لو

(۱) ﴿فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ ﴾(۲۷)الآیہ پ۲۲ ۸ ع

(۲) ﴿وَاِذْصَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾(۲۸) پ۲۶ ۴ ع(۲۹)

یہ ترجمہ تحت اللفظ ہے۔اس میں قرآنی آیات کواس انداز سے لکھا گیا ہے جس سے یوں گماں ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی منظوم کتاب ہے۔راقم کے نزدیک اس انداز سے قرآن مجید کولکھنا جہاں بے ادبی کے زمرہ میں آتا ہے وہاں اس سے تلاوت کرنا بھی آسان نہیں رہتا۔نمونہ کلام ملاحظہ کیجئے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ	آمَنُوْا
اے وہ لوگو! جوکہ ایماں لائے ہو	مانتے ہو جو کتاب اللہ کو
لَاتُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىِ	اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
مت بڑھوتم آگے (حدّ دین سے)	حق کے اوراس کے رسول پاک کے
وَاتَّقُوْا	اللّٰهَ
اور رہو عصیاں سے تم بچتے ہوئے	ڈر کر اللہ (کے عذاب اور قہر) سے
اِنَّ اللّٰهَ	سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۳۰)
واقعی ہے حق تعالیٰ ہی سدا	سب کی سننے والا سب کچھ جانتا (۳۱)

۳۔''وحی منظوم'' از سیماب اکبرآبادی (۱۸۸۰-۳۱/جنوری ۱۹۵۱ء)

سیماب اکبرآبادی کا اصل نام عاشق حسین تھا،قلمی نام سیماب اکبرآبادی اور تخلص سیماب کرتے تھے۔آپ اپنے قلمی نام سے ایسے مشہور ہوئے کہ اصل نام بالکل متروک ہوکر رہ گیا،آپ ۱۸۸۰ء اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔سیماب عربی فارسی کی کتابیں پڑھنے کے بعد انگریزی سکول میں داخل ہوئے (۳۲)،ابھی انٹر کے امتحان سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ والدگرامی کا سایۂ رحمت سر سے اٹھ گیا۔سب بہن بھائیوں میں بڑے ہونے کی وجہ سے گھر کی تمام تر ذمہ داریاں آپ کے ناتواں کندھوں پر آپڑیں۔ نتیجۃً تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور اکبرآباد (آگرہ) کے قلعہ معلّٰی میں ملٹری ورکس آفس میں کلرک تعینات ہوئے، کچھ عرصے کے بعد ریلوے کے ڈی۔ٹی۔ایس آفس سے وابستہ ہوگئے۔حصولِ علم آپ کی زندگی کا سب سے اہم مقصد تھا،آپ نے اپنے والدگرامی سے ایک چھوٹا سا کتب خانہ ورثہ میں پایا جوعلم کی تشنگی کو سیراب کرنے

میں معاون ثابت ہوا۔ جب علم کی پیاس شدید ہوئی تو حضرت جمال الدین سرحدی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جیسے نابغہ روزگار شخصیات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور علمی پیاس بجھائی۔ اِن کے علاوہ اُس وقت کے نامور جید علماء کرام سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی، یوں آپ کو دینی وعصری ہر دو علوم پر دسترس حاصل ہوگئی۔ اساتذہ کی خصوصی توجہ کے باعث آپ نے انگریزی، سنسکرت اور کئی دیگر زبانوں پر حد درجہ عبور حاصل کرلیا۔

شاعری کا ذوق بھی آپ کو ورثہ میں ملا تھا، آپ کے والد محترم مولانا محمد حسین صدیقی اپنے وقت کے معروف عالم اور نعتیہ شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔

۱۸۹۸ء میں فاضل مترجم نے فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی سے تلمذ کا شرف حاصل کیا اور بیسویں صدی کے ابتدائی عشرہ میں ہی علمی و ادبی دنیا میں اپنا ایک مقام بنالیا، آپ کا شعر وادب میں ذوق اس حد تک بڑھا کہ ۱۹۲۱ء میں ریلوے کی ملازمت سے مستعفی ہوکر آگرہ میں مستقلاً سکونت اختیار کرلی۔ یہاں آپ نے ''قصر الادب'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور تصنیف وتالیف کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ ماہنامہ ''مرصع''، ماہنامہ ''پردہ نشین'' اور ''آگرہ اخبار'' کی ادارت کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔

آپ کا سب سے پہلا شعری مجموعہ ''نے ستاں'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ دراصل آپ کی وہ نظمیں اور نعتیں تھیں جو اس وقت کے کثیر الاشاعت اخبار وجرائد میں چھپ چکی تھیں۔ قصر الادب سے ماہنامہ ''پیمانہ''، ماہنامہ ''ثریا''، ماہنامہ ''شاعر''، ہفت روزہ ''تاج''، ماہنامہ ''کنول'' اور سہ روزہ ایشیا کے اجراء کا سہرا بھی آپ کے سر جاتا ہے۔ آپ سن شعور سے آخری سانس تک شعر وادب کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف رہے۔ آپ نے اپنی ادبی زندگی کے آغاز میں مولوی فیروز الدین (بانی فیروز سنز لمیٹڈ لاہور) کی فرمائش پر مثنوی مولانا روم کے مکمل چھ دفتروں کا منظوم اردو ترجمہ ''الہام منظوم'' کے نام سے بہت ہی قلیل مدت میں مکمل کردیا۔

سیماب اکبرآبادی نے اپنی پچاس سالہ ادبی زندگی میں نثر ونظم کی چھوٹی بڑی تین سو کتابیں تصنیف وتالیف کیں۔ جن میں غزل کے تین ضخیم دواوین کلیم عجم، سدرۃ المنتہیٰ اور لوح محفوظ، نظموں کے تین مجموعے

کارامروز، ساز و آہنگ اور شعرِ انقلاب، رباعیات کا مجموعہ عالمِ آشوب، عزائی کلام کے دو مجموعے سرودِ غم اور نفیرِ غم، فن شاعری اور اصلاحِ سخن پر دو معیاری کتابیں رازِ عروض اور دستور الاصلاح وغیرہ، قائد اعظم سے متعلق نظموں کا مختصر مجموعہ ''قائد کی خوشبو'' اور آپ کی آخری تالیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر ''خاتم النبیین'' ہے۔آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ''وحی منظوم'' ہے جو قرآن پاک کا واقعی منظوم ترجمہ ہے جس نے آپ کی شہرت کو لازوال کر دیا ہے۔

آپ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں مستقل رہائش پذیر ہوگئے اور یہاں بھی علمی وادبی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا۔۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء کو دنیائے ادب کے اس درخشاں ستارے، صحافت اور شاعری کے اس امام نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی (۳۳)۔

سیماب کس نے عرش سے آواز دی مجھے
کہہ دو کہ انتظار کرے، آرہا ہوں میں

وحی منظوم:

۱۹۴۳ء/۱۳۶۲ھ میں آپ نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنے کی ٹھانی، دوست احباب اور علماء ومشائخ سے مشاورت کے بعد آپ نے بسم اللہ کر کے اس عظیم کام کا آغاز کیا۔آپ کے پیش نظر حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے تراجم تھے، آپ نے حتی الوسع ان دونوں تراجم کا پورا تتبع کیا بلکہ یوں کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر کے ترجمہ کو نظم کی شکل دی۔اس عظیم تخلیقی کام کے دوران فرہنگِ آصفیہ، لغات کشوری اور نوراللغات آپ کے ساتھ رہتی تھیں۔آپ کی یہ عادت تھی کہ اگر کسی کام کی ٹھان لی تو پھر اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی چھوڑا۔آپ کبھی کام کو نامکمل اور ادھورا نہیں چھوڑتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ''وحی منظوم'' کی تالیف کے دوران کوئی ایسی مصروفیت آڑے نہیں آنے دی جو اس کام میں مخل ہوتی۔آخر کار سات ماہ اور نو دن کی قلیل مدت میں یہ عظیم منظوم ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

مولانا سیماب اکبرآبادی کی احتیاط اور خوفِ خدا کا یہ عالم تھا کہ ترجمہ کی تکمیل کے بعد اس پر نظر ثانی کا فیصلہ کیا اور بعض اشاعتی اداروں کی کثیر رقم کو تا نظر ثانی ٹھکرا دیا۔

مولانا موصوف کو اس بات کا بھی بخوبی اندازہ تھا کہ ترجمہ میں تھوڑی سی لغزش اور کمی بیشی موجب

عذاب ہوسکتی ہے۔اس لیے آپ نظر ثانی کے بعد ''وحی منظوم'' کا مسودہ لے کر مختلف مکتبہ فکر کے علمائے عظام اور ناقدین ادب کی خدمت میں جاتے رہے، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، خواجہ حسن نظامی اور مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی وغیرہ نے ترجمے میں عربی متن سے جہاں ذرا سی بھی عدم مطابقت یا قرآنی مفہوم کے واضح نہ ہونے کا معمولی سا احتمال ظاہر کیا تو فاضل مترجم نے ان کے مشورے کے مطابق اس سہو یا سقم کی اصلاح کر لی (۳۴)۔

منظوم ترجمہ میں قرآن حکیم کے مطالب کی ساتھ شعری وزن اور قافیہ وردیف کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔وزن و بحر کی صحت کے ساتھ ردیف وقافیہ کی موزونیت کا اہتمام بجائے خود جگر کاوی کا متقاضی ہے، اس لیے جہاں کہیں بھی فاضل مترجم کو ضرورت شعری کی وجہ سے کچھ اضافے کرنے پڑے تو آپ نے وہ قوسین میں کر دیے تا کہ اس سے اندازہ ہو کہ یہ قرآن مجید کا ترجمہ نہیں ہے۔ بلکہ قوسین میں جو فقرے اور عبارتیں ہیں وہ سب توضیحی اور تشریحی ہیں جن سے ترجمے کے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ قرآنی مفہوم میں کسی قسم کا ردو بدل واقع ہوا ہے۔

یہ ترجمہ جہاں معنوی اعتبار سے خوبصورت ہے وہاں صوری اعتبار سے بھی خوبصورت ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ۱۹۴۵ء/ ۱۳۶۵ء میں شائع ہوا۔ راقم کے پیش نظر اس کا جدید ایڈیشن ہے جو فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۴۲۲ مٹیا محل، اردو مارکیٹ، جامع مسجد دہلی (ہندوستان) نے شائع کیا ہے، یہ اس نسخہ کی کاپی ہے جو سیماب اکاڈمی (پاکستان) کراچی سے شائع ہوا، اس پر کوئی ایسی تفصیل نہیں ہے جس سے اندازہ ہو سکے کہ یہ اس کا کونسا ایڈیشن ہے اور کس سن میں شائع ہوا ہے، البتہ خوبصورت انداز میں شائع ہوا ہے۔دائیں صفحہ پر قرآن مجید کا متن اور اس کے مقابل آیات کا منظوم ترجمہ ہے۔اسی بائیں صفحے پر مختصر مگر مفید حاشیہ ہے جو کہ فاضل مترجم کی وسعتِ اطلاع پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ترجمہ ۹۷۱ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور آخر میں ۳۳ صفحات پر مشتمل ارباب علم وفن کی آراء اس کے علاوہ ہیں۔

''وحی منظوم'' کو اس وقت کے علماء ومشائخ اور ارباب علم ودانش نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس پر آراء تحریر کی ہیں جن میں مولانا محمد حفظ الرحمٰن، خواجہ حسن نظامی دہلوی، مولانا عبدالنعیم صدیقی، مولانا محمد صادق ، حضرت مولانا محمد میاں، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، محمد نعیم

لدھیانوی، مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا محمد ادریس، مولانا جمال میاں فرنگی محلی، جسٹس آفتاب حسین، راجہ محمد ظفر الحق (سابق وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات حکومت پاکستان)، محمد علی خان آف ہوتی اور پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان جیسے جید علماء شامل ہیں۔

مولانا سید حسین احمد مدنی اس ترجمے پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

''ماشاء اللہ نہایت مفید اور کارآمد معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ناظم صاحب (سیماب اکبر آبادی) موصوف نے اکابر اسلاف رحمھم اللہ تعالی کے تراجم کی مطابقت کا التزام کیا ہے اس بناء پر یہ ہر طرح قابل اعتماد ہے'' (۳۵)

''وحی منظوم'' سیماب اکبر آبادی کی بلند پایہ شاعری کا ایک بین ثبوت اور ان کی قادر الکلامی، عروجِ فن اور قرآن کریم پر حد درجہ عبور کی بے نظیر مثال ہے۔

ذیل میں نمونے کے طور پر سورۂ کوثر کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے:

(اے پیمبر) ہم نے بے شک تم کو کوثر دے دیا
پس پڑھو رب کی نماز، اور پھر کرو شکر خدا
اور قربانی کرو (نام پر اس کے ادا)
جو تمہارا ہے عدو بے نسل وہ رہ جائے گا (۳۶)

فاضل مترجم کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے ستاون سال کا عرصہ بیت چکا ہے مگر وہ اپنے اس عظیم المرتبت ترجمے کی وجہ سے زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔

۴۔ ''سِحْرُ الْبَیَان'' از اثر زبیری لکھنوی:

آپ کا اصل نام مجید الدین احمد ہے اور اثر زبیری لکھنوی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا، میلانِ طبع چونکہ مذہب کی جانب زیادہ تھا اس لیے آپ نظم کی جانب متوجہ ہوئے اور حمد، نعت اور مناقبِ سلف صالحین جیسی شعری اصناف میں اپنا لوہا منوایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے متعلق ''شہید ستم'' کے نام سے ایک طویل نظم لکھی (۳۷)

قرآن مجید کے منظوم ترجمہ کا خیال آپ کو جنوری ۱۹۴۳ء میں آیا جس وقت آپ محلہ چمن گنج کانپور

میں قیام کے دوران' نمازِ مغرب کی ادائیگی کر رہے تھے ،فروری ۱۹۴۸ء تک گردش حالات کی وجہ سے اس جانب کوئی عملی پیش رفت نہ ہوسکی۔ مارچ ۱۹۴۸ء کو کراچی میں قیام کے دوران اس عظیم منصوبے کا آغاز کیا ۔آپ چونکہ سرکاری ملازم تھے اس لیے کوئی زیادہ وقت نہ دے پاتے ،بس رات کے چند پہر ہی اس پر صرف کر پاتے (۳۸)، چودہ سال کی مسلسل محنت کے بعد شب جمعہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ بمطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو یہ عظیم منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا (۳۹)۔

مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا محمد طیب علیہ الرحمۃ کے مشورہ پر اس منظوم ترجمۂ قرآن کا نام ''سحرالبیان'' رکھا۔اور مولانا مفتی محمد شفیع کی رائے پر ضرورت شعری کی وجہ سے جو زائد الفاظ ہیں ان کو واوین میں ذکر کیا۔

آپ نے ترجمہ کرتے وقت حزم واحتیاط کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔آپ اپنا مسودہ مختلف علماء کی خدمت میں لے کر جاتے رہے تاکہ کسی قسم کا سقم ہو تو اس کو دور کیا جا سکے۔مولانا عبدالماجد دریابادی سے مسلسل اصلاح کرواتے رہے۔اتنی احتیاط کے باوجود آپ اس کو منظوم ترجمہ کی بجائے ''نظم اُردو میں قرآن کریم کا سلیس اور بامحاورہ حاصلِ ترجمہ'' کہتے ہیں۔آپ کا منظوم ترجمے سے مقصود یہ تھا کہ نظم وشعر کے لوگ قرآنی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں اور حلاوتِ ایمان کو حاصل کرسکیں ،اسی طرح عامۃ الناس قرآنی مطالب کو ازبر کرسکیں (۴۰)

مولانا شبیر احمد عثمانی ،مولانا عبدالماجد دریابادی، قاری محمد طیب، مفتی محمد شفیع ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا اعزاز علی دیوبندی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا شمس الحسن تھانوی، مولانا محمد حسین پالوا، مولانا سلیم اللہ خان اور مولانا اکرام الحق جیسی عبقری شخصیات نے نہ صرف اس منظوم ترجمہ کو سراہا بلکہ اس پر تقاریظ بھی لکھ دیں۔

یہ ترجمہ الحجاز پبلشرز فیروز والا بلڈنگ کیمبل سٹریٹ کراچی نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ ہر جلد پندرہ پندرہ پاروں کی ہے۔طباعت خوبصورت انداز میں کی گئی ہے۔سنہری اور گہری فیروزی رنگ کا حاشیہ ہر صفحہ کو مزین کیے ہوئے ہے۔ ہلکے فیروزی رنگ پر قرآنی آیات اور اس کے تحت اللفظ منظوم ترجمہ ہے۔ترجمہ پر کوئی بیک گراؤنڈ نہیں دی گئی۔

اثر زبیری صاحب نے بھی اپنے پیش رو شائق ایزوی کی تقلید میں آیات بینات کو شعروں کے انداز میں لکھا ہے جو کہ راقم کے نزدیک مستحسن عمل نہیں ہے۔

آپ نے آیات بینات کے ترجمہ کو شعری قالب میں ڈھالتے ہوئے جن امور کا خاص طور پر خیال رکھا ان کو مختصراً ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

☆ آپ نے اس امر کا بطور خاص خیال رکھا کہ عبارتِ نظم کو آسان لفظوں میں پیش کیا جائے اور ترتیب مطالب کے لحاظ سے اصل عبارت کا تسلسل بھی قائم رکھا جائے۔

☆ ترجمہ کو مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی سعی کی گئی ہے اور اس امر کی حتی الوسع رعایت رکھی گئی ہے کہ جس ترتیب کے ساتھ قرآنی الفاظ سطر بالا میں مرقوم ہوں اسی ترتیب کے ساتھ اس کے تحت عبارتِ نظم میں بھی لائیں جائیں۔ اس طریقہ سے یہ فائدہ ہوا کہ عبارتِ قرآنی کی تفہیم سہل ہوگئی۔

☆ بعض مقامات اس قسم کے بھی آئے ہیں جہاں بضرورت توضیحِ مطلب تشریحی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے اور بعض مواقع ایسے بھی آئے ہیں جہاں بضرورت شعری زائد الفاظ استعمال کرنا پڑے، فاضل مترجم نے ان سب کو واوین '' '' اس انداز پر لکھ دیا ہے کہ شرح و ترجمہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوسکیں۔ اس احتیاط کے نتیجے میں نہ تو معنیٰ میں کوئی فرق آیا اور نہ ہی عبارت کے تسلسل میں گرہ پڑسکی۔ مثال ملاحظہ ہو:

فَلَمَّا اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ   قَالَ   رَبِّ(۴۱)

تو ان کو آلیا ''یکبارگی'' اک زلزلے نے   گزارش کی ''پریشان ہو کے'' موسیٰ نے کہ میرے رب

☆ اُن مقدرات و مکنوناتِ قرآنی کو بھی ترجمہ میں شامل کرلیا گیا ہے جو اصل عبارت میں مذکور تو نہیں ہیں بلکہ درحقیقت مرادِ عبارت ہیں۔ نظم ترجمہ میں ان کو شامل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ فہمِ معنیٰ میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح جہاں کہیں واوِ عطف کا تعلق پورے ماسبق جملے سے تھا اسے ترجمہ میں اس طریقے سے بیان کیا گیا ہے کہ واوِ مذکورہ کا ترجمہ اپنے پورے معطوفہ جملے کے معنیٰ کے ساتھ ساتھ نظر آتا ہے۔ غرضیکہ ہر لفظ کے محل استعمال اور مقصدِ منطوق کو پورے طور پر مدنظر رکھا گیا ہے (۴۲)۔

☆ حفظِ مراتب اور ادب کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے، اگر عبارت میں عام شخص سے خطاب ہے تو کہہ دے یا بتادے کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے وہاں کہہ دیجئے

یا بتادیجئے جیسے الفاظ لائے گئے ہیں۔

☆ جہاں جہاں آیت قرآنی پوری ہوگئی یا مضمون اس طور پر ختم ہوگیا کہ نظم میں طاق مصرعے رہ جاتے ہیں تو ان کو اسی صورت میں رہنے دیا گیا۔ یہ طریقہ اگر چہ قواعدِ نظم کے اعتبار سے ناجائز ہے پھر بھی ایک خاص معنوی لطف اور ایک خاص ادب واحتیاط کا حامل ہے۔مثلاً

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَ هُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ

قسم قرآن کی ان کو تعجب بلکہ اس پر تھا کہ ان کے پاس آیا اک ڈرانے والے ان جیسا

فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِيْبٌ (۴۳)

تو اہل کفر کہہ اٹھے انوکھی بات ہے یہ تو

☆ جن جن مقامات پر مترجمین میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے وہاں فاضل مترجم خاص طور پر تفحص وتحقیق سے کام لے کر اور سیاق وسباق کو مدنظر رکھ کر تفاسیر کی مدد سے منطوق آیت کو قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً:

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (۴۴)

پھر اس کے واسطے آنے کا رستہ کر دیا آساں پھر اس کو موت دی اور پھر بنایا قبر کا مہماں

☆ ''سحر البیان'' میں عمومی طور پر لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔لیکن بعض جگہ شگفتگی زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے بامحاورہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے اور مروجہ محاوروں کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔بامحاورہ ترجمہ کی مثال ملاحظہ ہو:

يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ (۴۵)

یہی ہر فرد کی خواہش ہے عمرِ نوح مل جاتی

☆ اثر زبیری مرحوم نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ ترجمہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی شان کے منافی کوئی لفظ استعمال نہ کیا جائے، اسی طرح عصمتِ انبیاء کو بھی ملحوظ رکھا ہے تا کہ منصبِ رسالت پر حرف نہ آئے۔آپ ترجمے کرتے ہوئے اُن مشکل مقامات سے بغیر وعافیت گزر گئے ہیں جہاں بڑے بڑے مترجمین بھی صحیح معنوں میں عہدہ برآ نہ ہو سکے۔مثال ملاحظہ ہو:

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ

وہ یوں کہنے لگیں ہے ہے بھلا کیا میں ماں بنوں گی درآنحالیکہ ہوں ''از کار رفتہ یعنی'' بوڑھی میں

وَھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ(۴۶)

یہ شوہر ہیں جو خود بھی سن رسیدہ ہیں بہت کافی یہ مژدہ واقعی اک بات ہے از حد تعجب کی

ضالاً کا لفظی ترجمہ بڑی احتیاط کا طالب ہے، خصوصاً جبکہ اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہو۔

وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی(۴۷)

اور اس نے آپ کو نا محرم ''اسرار'' پایا تھا تو اس نے آپ کو رستہ دکھایا ''دینِ برحق کا''(۴۸)

☆ عام طور پر تراجم کا مزاج یہ رہتا ہے کہ جملہ اسمیہ کا ترجمہ جملہ اسمیہ سے، جملہ فعلیہ کا ترجمہ جملہ فعلیہ سے کیا جاتا ہے، اسی طرح اسماء کا ترجمہ اسماء سے اور ضمائر کا ترجمہ ضمائر سے ہوتا ہے۔ اثر زبیری نے اس میں تھوڑا سا تصرف کیا ہے، آپ نے بعض مقامات پر اسماء کا ترجمہ ضمائر کے ساتھ اور ضمائر کے ضمن میں اسماء کو ظاہر کر دیا ہے۔ اس امر کا محرک معنوی ضرورت اور ترسیع کلام کا خیال تھا۔

☆ ہر سورۃ کو نئے صفحے سے شروع کرنے کا خاص طور پر التزام کیا ہے اگرچہ گذشتہ سورۃ جہاں ختم ہوئی ہے وہاں خالی جگہ ہی کیوں نہ ہو۔

اثر زبیری کا مزید نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ اِلٰہِ النَّاسِ

یہ کہیے مانگتا ہوں میں اماں اس ''ذاتِ یزداں'' کی جو رب ہے جو مَلِک ہے جو کہ ہے معبود انساں کی

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ

بدی سکھلا کے پیچھے ہٹنے والے کی شرارت سے کیا کرتا ہے پیدا وسوسے جو دل میں انساں کے

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ(۴۹)

وہ شیطاں خواہ ''قوم'' جن سے ہو یا نوع انساں سے

۵۔مثنوی آب رواں از شمیم رجز:

سید شمیم رجز اردو کے قادرالکلام بزرگ شاعر ہیں، آپ قیام پاکستان سے قبل ضلع کانپور کے قریب ''محمد پور'' (۵۰) نامی ایک گاؤں میں ۱۱ مئی ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے، بچپن میں آپ کو آپ کی والدہ محترمہ نے قرآن مجید پڑھایا، ابتدائی تعلیم قصبہ کے پرائمری سکول میں حاصل کی، انگریزی کا آغاز بی۔این ہائی سکول اکبرپور ضلع فیض آباد سے ہوا، ایس۔آئی کالج لکھنؤ سے میٹرک امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ اسی کالج میں انٹر سائنس تک تعلیم پانے کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی میں بی۔ایس۔سی (سال اول) تک تعلیم حاصل کی۔

لکھنؤ کے آٹھ سالہ قیام دوران سید موصوف نے اردو کے محافظ اور اردو ادب کے مجتہد حضرت مہذب لکھنوی سے فن شاعری کی تعلیم حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد سٹی آرٹس کالج حیدرآباد سندھ میں داخلہ لے لیا اور یہاں بی۔اے آنرز تک تعلیم حاصل کی۔سندھ یونیورسٹی میں ایم۔اے اردو سال اول کے ہی طالب علم تھے کہ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کی کشش انہیں لاہور لے آئی اور یہاں سے آپ نے ایم۔اے اردو کی سند حاصل کی۔

رجز صاحب کو ابتدائی عمر میں ہی شعروشاعری سے حد درجہ مناسبت تھی، آپ ابھی آٹھویں جماعت میں تھے کہ آپ کا ابتدائی کلام ''دریائے غم'' کے نام سے شائع ہوا۔اس کے دو سال بعد ابھی دسویں جماعت میں زیر تعلیم تھے کہ دوسرا مجموعہ ''محافظ اسلام'' کے نام سے شائع ہوا۔شعروشاعری سے اس حد تک لگاؤ کے باوجود بھی آپ اپنی جماعت کے ہر امتحان میں اول پوزیشن حاصل کرتے۔تعلیم کی تکمیل کے بعد ریلوے سے وابستہ ہوگئے۔(۵۱) قیامِ لاہور کے دوران لاہور کے مشاعروں اور محافل مسالمہ میں شریک ہوتے اور اپنا منظوم کلام سناتے۔اب ایک طویل مدت سے امریکہ میں مقیم ہیں، مختلف موضوعات پر کوئی ایک درجن کتب لکھیں ہیں۔آپ چونکہ انجینئرنگ کے شعبہ سے وابستہ تھے اس لیے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور دو کتابیں ''فولاد پر عملِ حرارت'' اور ''فن آہن گری'' تحریر کیں جو پاکستان رائٹرز گلڈ کی وساطت سے بالترتیب اول اور دوم انعام کی مستحق قرار پائیں۔

رجز صاحب شعروادب کی دنیا کے ایک قادرالکلام شاعر مانے جاتے ہیں اور شاعری کی ہر صنف

پر طبع آزمائی کر چکے ہیں جس کا منہ بولتا ثبوت حمد، نعت، منقبت، نوحے، مرثیے، سلام اور رباعیات پر مشتمل ایک عظیم وضخیم کتاب ''خلوص بے کراں'' ہے۔ ''میر کارواں'' کے نام سے متفق علیہ احادیث کا منظوم ترجمہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصنیف لطیف ''نہج البلاغۃ'' کا منظوم ترجمہ دو جلدوں میں بعنوان ''نقش جاوداں'' کیا، ''گلستانِ فاطمہ'' کے نام سے مرثیہ لکھا، ''نجاتِ انس وجاں'' کے عنوان سے سو منظوم دعائیں لکھیں جن میں حضرت امام زین العابدین کی ۵۶ منظوم دعائیں بھی شامل ہیں۔ ایسا پس فیلبس (انگریزی) کا منظوم ترجمہ ''خزانہ حکمت'' کے نام سے کیا، نثر میں ''حروف کی آوازیں اور اثرات'' آپ کا ایک تحقیقی کارنامہ ہے اور ''صدائے احتجاج'' کے نام سے آپ کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ بھی موجود ہے، شرک کے خلاف بھی آپ نے ''یا اللہ مدد'' کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی۔ آج کے اس موجودہ تناظر میں امت محمدیہ میں باہمی اتفاق واتحاد سے متعلق ایک کتاب بعنوان ''شیر وشکر'' تصنیف کر رہے ہیں۔

رجز صاحب کا سب سے قابل قدر، لائق تحسین اور ناقابل فراموش کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ''آبِ رواں'' کے نام سے قرآنی مطالب ومفاہیم کو نظم کی شکل میں ڈھالا۔

رجز صاحب نے اس عظیم منصوبے کا آغاز فروری ۱۹۵۲ء میں کیا اور پہلا پارہ اگست ۱۹۵۳ء میں مکمل ہوا (۵۲)۔ ۱۹۶۰ء میں اس کا پہلا حصہ ''آبِ رواں'' کے نام سے شائع ہوا جو کہ پہلے پارہ پر مشتمل تھا۔ پھر ۱۹۶۴ء میں رائٹرز اکیڈیمی لاہور سے سیقول پارہ پر مشتمل دوسرا حصہ شائع ہوا، اس کا تیسرا حصہ جو کہ تلک الرسل پر مشتمل تھا غالباً ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔ چودہ برس کی مسلسل محنت سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۰۵ء میں یہ مکمل تیس پاروں کی تفسیر اظہار القرآن ۱۹- اردو بازار لاہور نے شائع کی، اس سے قبل جو ساٹھ کی دہائی میں تین حصوں میں تین پاروں کی تفسیر شائع ہوئی تھی اس میں ایک صفحہ پر قرآن مجید کا عربی متن، اس کے نیچے مولانا شاہ رفیع الدین کا ترجمہ اور اس کے مقابل صفحہ میں آیات بینات کا منظوم مفہوم دیا گیا تھا اور یہ زبان حال سے بتا رہا تھا کہ قرآن مجید کا منظوم ترجمہ انتہائی مشکل اور حزم واحتیاط کا متقاضی ہے اور چھوٹی سے لغزش بھی بجائے اجر وثواب کے سزا کا موجب بن سکتی ہے۔ اس بات کا ادراک رجز صاحب کو بخوبی تھا، اس لیے انہوں نے ''منظوم ترجمہ'' کا لفظ لکھنے کی بجائے ''منظوم مطالب ومفاہیم'' لکھا اور اس بات کا کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ

یہ منظوم ترجمہ ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

''اشعار میں قرآن کے مطالب ومفاہیم نظم کیے ہیں، البتہ کوشش یہ رہتی ہے کہ آیات کا ترجمہ نظم کروں'' (۵۴)

اس موجودہ اشاعت میں غالباً طوالت کے خوف سے شاہ رفیع الدین کا ترجمہ شامل نہیں ہے۔

رجز صاحب کے مخاطب خواص کی بجائے چونکہ عوام ہیں، اس لیے آپ نے شاعری کی صنف ''مثنوی'' کا انتخاب کیا اور جب یہ مکمل ترجمہ شائع ہوا تو اس کا نام ''مثنوی آب رواں'' رکھ دیا گیا۔ ''مثنوی آب رواں'' کی طباعت تین رنگوں میں کی گئی ہے۔ گہرے سبز رنگ کا حاشیہ صفحے کو مزین کرتا ہے اور ہلکے سبز رنگ کے کالم میں قرآنی آیت اور اس کے مقابل سفید کالم میں متعلقہ آیت کی منظوم ترجمانی درج ہے۔ آخر میں فہرست ہے اور یہ کل ۶۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ آخر میں بغیر نمبروں کے چار صفحات پر اہل علم حضرات کے تبصرے ہیں اور یہ تبصرے اس کی اس تازہ اشاعت پر نہیں ہیں جو مکمل صورت میں شائع ہوئی ہے بلکہ یہ ساٹھ کی دہائی میں شائع ہونے والے تین حصوں پر ہیں، اسی وجہ سے ان کو ایک الگ سے تعارفی بروشر چھاپنا پڑا جس میں سابقہ تبصروں کے ساتھ نئی اشاعت پر تبصرے بھی شامل ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید ابو الحسنات، مولانا احتشام الحق تھانوی، جناب اختر عباس مجتہد، ڈاکٹر سید ناظر حسن زیدی، حافظ نذر احمد (پرنسپل شبلی کالج لاہور) پنجابی شاعر صدیق باغبانپوری، ڈاکٹر محمد حسین جعفری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر محمد حسن رضوی، پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید (ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی)، ڈاکٹر بلال نقوی، ڈاکٹر عظیم امروہی، مولانا حافظ مشتاق احمد، ڈاکٹر انور سدید، ناصر زیدی، اسرار زیدی، ڈاکٹر سید معراج نیر، ڈاکٹر سلیم اختر، پروفیسر صدیق کلیم، مفتی عزیز الرحمٰن دانش، رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی اور دیگر اہل علم وفن نے منظوم ترجمے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور اس پر دل نشیں تبصرے لکھ کر اس کو سراہا ہے۔

''آبِ رواں'' میں قرآن مجید کے مطالب ومفاہیم کو انتہائی سلیس، شیریں اور دلنشیں انداز میں شعری جامہ پہنایا گیا ہے کہ یہ معانی ومفاہیم قاری کے دل میں اترتے جاتے ہیں اور قاری یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ کنول کے پھول کی طرح ''آبِ رواں'' پر تیرتا رہا ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔ جناب شمیم رجز صاحب سورۃ

الاخلاص کے معنیٰ ومفہوم کو کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں:

کہو تم خدا ایک ہے بالیقیں
کسی کا وہ محتاج ہرگز نہیں
نہ اس نے کسی کو تولد کیا
نہ وہ خود کسی شے سے پیدا ہوا
دو عالم پر رکھتا ہے وہ برتری
کسی کو نہیں جرأت ہمسری

آخر میں راقم کی یہ رائے کہ قرآنی آیات کے ساتھ اگر نثر میں کوئی سلیس اور عام فہم ترجمہ شامل کردیا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔

۶۔''فرقانِ جاوید''ازعبدالعزیز خالد

عبدالعزیز خالد کا شمار لاہور کے بزرگ شعراء میں ہوتا ہے، آپ کی عربی پر گرفت بھی کافی مضبوط ہے۔ آپ کے کوئی ایک درجن سے زائد مطبوعہ شعری مجموعے ہیں، جن میں نعتوں کا مجموعہ''ماذ ماذ''،''طایا'' اورعبدہ اوران کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منظوم تذکرہ''ثانی لا ثانی''، ''سراب ساحل''(شاعری)،''سلویٰ''(منظوم ڈرامے)،غزل الغزلات''،''شعلہ چنار''،''پرواز عقاب''،''خروش خم''،''زرداغ دل''اور''طاب طاب''قابل ذکر ہیں۔

آپ نے قرآن پاک کا منظوم اردو ترجمہ''فرقانِ جاوید''کے نام سے کیا۔ یہ ترجمہ آزاد نظم کی ہیئت میں کیا گیا ہے جس میں ردیف اور قافیہ کی کوئی پابندی نہیں ہوتی، ہر مصرع مترنم ہے۔ جناب عزیز خالد صاحب نظم میں آسان سے آسان الفاظ لائے ہیں جنہیں سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آتی۔

''فرقانِ جاوید''پہلی مرتبہ مقبول اکیڈیمی لاہور سے اگست ۱۹۸۸ء میں چھپا اور سال بعد ہی اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔ یہ بڑے سائز کے ۲۷۰ اصفحات پر مشتمل ہے۔

''فرقان جاوید''میں ہر صفحے کے دو کالم بنائے گئے ہیں۔ ایک کالم میں قرآن کی آیات اور دوسرے کالم میں منظوم ترجمہ۔''عرض مترجم''کے عنوان سے مقدمہ بھی منظوم ہے۔

اس مذکورہ ترجمہ میں اس بات کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر سورت نئے صفحے سے شروع ہو اگرچہ گذشتہ سورت جہاں ختم ہوئی ہے وہاں خالی صفحہ ہی کیوں نہ بچا ہوا ہو۔ آیات کے نمبر عربی متن کی بجائے منظوم ترجمہ میں ہیں، اگر عربی متن میں بھی ہوتے تو زیادہ مناسب تھا۔

فٹ نوٹ میں میں مختصر تشریح و تفسیر بھی دی گئی ہے۔ بالخصوص جب کسی سورت کا آغاز ہوتا ہے تو جناب عزیز خالد اس سورت کے دیگر نام کیا ہیں ان کا تذکرہ کرتے ہیں، مثلاً آپ نے سورۂ فاتحہ کے ۲۵ نام گنوائے ہیں۔ سورۃ الطلاق جب شروع ہوتی ہے تو فٹ نوٹ میں بتلایا کہ اس سورت کا ایک اور نام سورۃ لنساء القصریٰ بھی ہے(۵۴)۔

جناب عزیز خالد نے منظوم ترجمہ میں اس بات کا بھی اہتمام کیا ہے کہ اگر کسی لفظ یا فقرے کی جگہ کوئی دوسرا لفظ یا فقرہ بھی استعمال ہوسکتا ہے تو اس کو بھی فٹ نوٹ میں ذکر کر دیا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَلَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ (۵۵)

کہا اُس نے پروردگارا! کیا میں نے تحقیق ظلم
اپنی جاں پر سو تُو بخش مجھ کو۔
سو اللہ نے اُس کو بخشا
وہ تحقیق بخشندہ و مہرباں ہے

۷۔ ''وجدانِ سلیم'' از میرزا خادم ہوشیار پوری

میرزا خادم ہوشیار پوری قیام پاکستان سے قبل بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے اوائل میں ضلع انبالہ کے کسی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ضلع انبالہ سے ہجرت کر کے خان پور ضلع جہلم میں مستقل رہائش پذیر ہو گئے۔ آپ کو زرعی اراضی ''بھوماں باٹھ'' میں الاٹ ہوئی۔ اس لیے ضلع گوجرانوالہ بھی آپ کا ایک لحاظ سے وطن بن گیا۔

پیشۂ زراعت سے منسلک تھے، تعلیم بی۔اے تھی، انگریزی، فارسی، عربی، اردو، پنجابی، ہندی اور سنسکرت پر عبور تھا۔ عاجزی و انکساری آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔ ہمیشہ سادہ لباس پہنتے ہر چند کہ دیہاتی معلوم ہوتے تھے۔ آپ کو علم عروض میں کامل دستگاہ تھی۔ آپ شاعر بھی تھے

اور نقاد بھی۔''ماہنامہ پندرہویں صدی گوجرانوالہ'' کے مدیر مسئول تھے۔

۵۲-۱۹۵۱ء میں بس آپ سے سورۂ فاتحہ کا منظوم ترجمہ لکھا گیا۔اس وقت آپ کا ارادہ مکمل قرآن مجید کے ترجمہ کرنے کا بالکل نہ تھا۔اساتذۂ پنجاب کے ترجمان ''بانگ درا'' لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں چھپا تو اس کو اتنی پذیرائی ملی کہ پنجاب کے اکثر و بیشتر اداروں میں بطور دعا پڑھا جانے لگا۔یہ ترجمہ آپ نے بحر ہزج کی مترنم بحر میں لکھا۔پھر سورۂ بقرہ کی ابتدائی چند آیات کا ترجمہ ہوا۔اس کے بعد درمیان میں کوئی تیس بتیس سال کا طویل انقطاع آ گیا۔۱۹۸۴ء میں آپ نے اس کا دوبارہ آغاز کیا اور ابتداء کے لیے ۲۷ رمضان المبارک کی شب کا انتخاب کیا اور شب قدر کی مناسبت سے سورۃ القدر کی ترجمانی نظم میں کی۔

اگلے سال رمضان المبارک تک اوّل پارہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔اوّل پارہ کی اشاعت جس وقت ۱۹۸۸ء میں ہوئی اُس وقت تک چھ پاروں کی منظوم ترجمانی ہو چکی تھی۔۱۴ ربیع الاوّل ۱۴۱۲ھ کو قرآن مجید کی یہ منظوم ترجمانی اپنی تکمیل کو پہنچی۔(۵۶)

ماہنامہ پندرہویں صدی گوجرانوالہ کے شورائی نمبر میں آپ کی سورۂ یٰسین کی منظوم ترجمانی شائع ہوئی۔اس کی مکمل اور باقاعدہ اشاعت تین جلدوں میں ۱۳-۱۴۱۲ھ میں ہوئی۔ہر جلد دس پاروں پر مشتمل ہے اور کل صفحات ۱۲۸۷ ہیں۔اس کی اشاعت کا اہتمام دارالاشاعت ادارۂ تنظیم مساجد گوجرانوالہ نے کیا۔

آپ نے مثنوی کے مخصوص اوزان استعمال کرنے کی بجائے بحر ہزج سالم کو ترجمانی قرآن کے لیے منتخب کیا۔

قرآن فہمی میں آسانی کے لیے یہ ترتیب رکھی گئی کہ دائیں صفحے پر پہلے ہر آیت کے ہر لفظ کے نیچے لفظی ترجمہ اور اس کے نیچے بامحاورہ ترجمہ دیا گیا ہے جو کہ حافظ نذر احمد (مسلم اکادمی، محمد نگر لاہور) کے مطبوعہ ''آسان ترجمۂ قرآنِ کریم'' سے لیا گیا ہے۔متن کے مقابل بائیں صفحے پر منظوم ترجمانی ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو: آپ نے سورۃ الکافرون کی منظوم ترجمانی اس انداز سے کی ہے:

کہو اے کافرو سُن لو! عبادت جن کی کرتے ہو
وہ جن کے سامنے جھکتے، جبینِ عجز دھرتے ہو

تمہارے ایسے معبودوں کی پوجا میں نہیں کرتا
یہ ہیں معبود باطل، ان کی پروا میں نہیں کرتا
نہ تم معبود کی میرے، عبادت کرنے والے ہو
محبت کا نہ دم اُس کی، کبھی تم بھرنے والے ہو
عبادت جن کی کرتے ہو ، عبادت کر نہیں سکتا
ربوبیت کا میں ان کی کبھی دم بھر نہیں سکتا
جو ہے معبود میرا، تم عبادت کر نہیں سکتے
کبھی چوکھٹ پر اُس کی ، تم سر اپنا دھر نہیں سکتے
تمہاری راہ سے بے شک جدا ہے راستہ میرا
تمہارے سینکڑوں ، رب دو عالم خدا ہے میرا

۸۔ ''مفہوم القرآن'' از عطاء قاضی

قاضی عطاء اللہ عطاء پسروری ۱۹۳۴ء میں پسرور کے ایک مشہور تاجر قاضی ظہور اللہ المعروف میاں ظہوری کے ہاں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں گورنمنٹ ہائی سکول پسرور سے میٹرک کیا۔اس دوران آپ کا ادب سے لگاؤ پیدا ہو گیا، چونکہ اُس وقت سکول کے اساتذہ میں مسلم الثبوت شعراء تھے،طلبہ کی اکثریت میں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۹۴۶ء میں منشی فاضل کیا۔منشی فاضل کے بعد آرٹس میں ڈپلومہ کیا۔عملی زندگی کا آغاز ۱۹۵۶ء میں چیف آرٹسٹ کی حیثیت سے لالہ موسیٰ میں ملازمت سے کیا۔سرکاری ملازمت کے دوران ادبی سرگرمیاں بالکل ختم ہو کر رہ گئیں۔۱۹۸۲ء میں ویلیج اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گجرات سے بطور چیف آرٹسٹ ریٹائر ہوئے۔ریٹائرمنٹ کے بعد آغا وفا ابدالی سے آپ کی جان پہچان ہوئی، جب آغا صاحب سے آپ کا تعلق بڑھا تو آپ کے اندر سویا ہوا شاعر پھر سے بیدار ہو گیا اور شعر لکھے اور کہے جانے لگے۔

پسرور میں ''ادبی سبھا'' کی بنیاد رکھی، جس کے تحت مشاعروں اور ادبی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے، اب یہ اشاعتی ادارہ بھی بن چکا ہے۔

بنیادی طور پر آپ کی شناخت، نعت گو شاعر اور آرٹسٹ کے حوالے سے ہے۔فن کتابت میں بھی

مہارت رکھتے ہیں اور اپنی کتب کی کتابت خود کرتے ہیں۔

آپ کی کوئی درجن کے قریب مطبوعہ کتب دستیاب ہیں۔جن میں حمد ونعت پر مبنی مجموعۂ کلام'' نازِسخن''،غزلیات پر''نیازِسخن''،پھر غزلیات میں قطعات ورباعیات کی شمولیت سے''سازِسخن''،قرآن مجید کی توحیدی آیات کے منظوم مفہوم پر''اعجازِسخن''،سورۂ بقرہ کا منظوم ترجمہ''فرازِسخن''،عم پارے کا ترجمہ''رازِسخن''،گیارھویں پارے کا ترجمہ''امتیازِسخن''،اور سورۂ آل عمران کا ترجمہ''اعزازِسخن'' کے نام سے کیا۔اس کے علاوہ آپ نے قرآنی دعاؤں کا مفہوم بھی نظم کیا اور پسرور کے شعراء کے تعارف پر مبنی''شعرائے پسرور'' تصنیف کی۔آغا وفا ابدالی مرحوم کے مجموعہ ہائے کلام کو''غبارِدل''،''شرارِدل'' اور''بہارِدل'' کے نام سے مرتب کیا۔

آپ نے شاعری میں با قاعدہ کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی۔ایک دن قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنے کا خیال پیدا ہوا مگر ڈر تھا کہ کہیں غلطی نہ کر بیٹھیں۔مولانا رشید احمد پسروری کی حوصلہ افزائی سے اللہ کا نام لے کر منظوم ترجمے کا سلسلہ شروع کر دیا۔سب سے پہلے قرآنی دعاؤں کا ترجمہ،پھر توحیدی آیات کا منظوم ترجمہ،پھر سورۂ بقرہ،پھر تیسواں پارہ،اس کے بعد گیارھواں پارہ،اس کے بعد سورۂ آل عمران،پھر نساء اور مائدہ کا منظوم ترجمہ کیا جو الگ الگ بھی مطبوع ہیں۔دو سال اور چند ماہ کے قلیل عرصہ میں پورے قرآن مجید کے مفہوم کی منظوم ترجمانی''مفہوم القرآن'' کے نام سے مکمل کی۔

بیک وقت آپ نے خلقِ خدا کی تین خدمات انجام دی ہیں۔قرآن مجید کے متن کی طباعت،اس کا سلیس اردو نثری ترجمہ اور اس کا منظوم مفہوم۔منثور ترجمہ میں آپ کے پیشِ نظر تفہیم القرآن،بیان القرآن،معارف القرآن،کنز الایمان اور مولانا فتح محمد جالندھری کا ترجمہ تھا۔آپ نے ان تراجم سے مدد لی اور ان میں سے جو بھلا لگا لے لیا۔

آپ نے شکوہ جواب شکوہ کی زمین میں مسدّس،قطعہ اور رباعی کے لباس میں سلیس منظوم مفہوم سے ایک انفرادیت قائم کی ہے، اکثر بند مسدس کی طرح چھ مصرعوں پر مشتمل ہیں۔

آپ کی اس تصنیف لطیف کو علماء و اسکالرز نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور تقاریظ و تبصرے لکھ کر دادِتحسین دی ہے۔جن حضرات نے تقاریظ لکھی ہیں وہ یہ ہیں: پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری،

ڈاکٹر قاضی مقبول الٰہی، پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر، ڈاکٹر خورشید رضوی، ڈاکٹر ممتاز احمد سالک، مولانا ابو عمار زاہد الراشدی، ڈاکٹر بابر بیگ مطالی، ضیاء الہاشمی پسروری، نذیر حق، ڈاکٹر انور سدید، اختر چشتی پسروری، رانا محمد شفیق خاں پسروری، ڈاکٹر عادل صدیق، بشیر احمد وسیر، گوہر ملسیانی اور شمس الدین عاکف وسیر وغیرہم (۵۷)۔

''ادبی سبھا'' نے ''مفہوم القرآن'' کو تین جلدوں میں شائع کیا۔ جلد اوّل سورۂ فاتحہ سے توبہ تک، دوم یونس سے فاطر تک اور سوم یٰسین سے الناس تک ہے۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

﴿وَ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰهُ حِسَابَهٗ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (۵۸)

سو وہ اللہ کے سوا پاتا نہیں پاس کوئی
سو خدا دیتا ہے اس شخص کو پورا پورا
جو بھی کچھ اس کے تھا اعمال میں تحریر ہوا
وہ حسابات کو تیزی سے ہے کرنے والا (۵۹)

۹۔ منظوم القرآن از انجم عرفانی

مصنفِ منظوم القرآن کا نام بدرالدین احمد خاں اور تخلص انجم عرفانی ہے، آپ حافظ علاء الدین احمد خاں کے ہاں ۹ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو گورکھپور (اتر پردیش، ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی خاصے مذہبی تھے، اس لیے آپ کو بچپن ہی سے مذہب سے لگاؤ پیدا ہوگیا۔ آپ ایم۔ایل۔کے کالج بلرام پور (یوپی) میں شعبۂ اردو میں بطور ریڈر فرائض سرانجام دیتے رہے اور ۳۰ر جون ۱۹۹۹ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

آپ کے والدِ گرامی مرحوم کی شدید خواہش تھی کہ آپ قرآن مجید کی کوئی خدمت سرانجام دیں، چنانچہ اس خواہش کی تکمیل میں نومبر ۱۹۹۹ء میں قرآن مجید کا منظوم ترجمہ آزاد نظم میں کرنے کا ارادہ کیا اور تیسویں پارے کا ترجمہ کر ڈالا، دوستوں نے اسے پسندیدگی سے نوازا اور مکمل ترجمۂ قرآن کرنے پر اصرار کیا۔ آخر کار ۵ر جولائی ۲۰۰۲ء کو دو سال اور آٹھ ماہ کی مسلسل محنتِ شاقہ سے یہ منظوم لفظی ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ترجمہ کرتے وقت سید ابوالاعلیٰ مودودی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد

رضا خاں بریلوی کے تراجمِ قرآنی مصنف کے پیش نظر تھے، سب سے زیادہ استفادہ آپ نے ''قرآن مجید کی عربی اردو لغت'' مرتبہ ڈاکٹر محمد میاں صدیقی سے کیا۔ آپ کا طریقۂ تالیف یہ تھا کہ سب سے پہلے قرآن مجید کے مشکل الفاظ کو ایک ڈائری میں لکھ لیتے، پھر اس لغت کی مدد سے آیاتِ قرآنی کو شعری جامہ پہناتے (۶۰)۔

مصنفِ گرامی نے خود ہی اس کی طباعت کا اہتمام کیا، ۳۰واں، ۲۹واں، ۲۸واں، ۲۷واں اور ۲۶واں پارہ الگ الگ ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۱ء میں بلرام پور سے طبع کرائے۔ ان میں ہر صفحے میں دو کالم بنائے گئے ہیں، ایک کالم میں قرآنی متن اور دوسرے کالم میں اس کا منظوم لفظی ترجمہ ہے۔ جناب انجم عرفانی نے مقدور بھر کوشش کی یہ ترجمہ لفظی ہو اور اس میں کسی قسم کی کمی ہو نہ بیشی۔

بڑھتی ہوئی مہنگائی کے سبب مصنف نے قرآنی متن کے بغیر مکمل ترجمۂ قرآن پانچ جلدوں میں کتابت کی بجائے کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ شائع کیا، پارہ الم تا تلک الرسل پر مشتمل جلد اول ۲۰۰۴ء میں بلرام پور سے، جلد دوم پارہ لن تنالوا تا ولو اننا مارچ ۲۰۰۵ء میں، جلد سوم پارہ قال الملأ تا سبحان الذی جولائی ۲۰۰۵ء میں، جلد چہارم پارہ ۱۶ تا ۲۵ فروری ۲۰۰۶ء میں اور آخری جلد پارہ نمبر ۲۶ تا ۳۰، اکتوبر ۲۰۰۶ء میں لکھنؤ سے طبع ہوئی۔ آخری پانچ پاروں کا ترجمہ جو اولاً الگ الگ قرآنی متن کے ساتھ شائع ہوا تھا اس میں بھی اور جو پانچ جلدوں میں قرآنی متن کے بغیر طبع ہوا ہے اس میں بھی ترجمہ میں آیات کے نمبر لگائے گئے ہیں تاکہ قاری کو مطلوبہ آیات کے ترجمہ کی تلاش میں سہولت ہو۔ نمونہ کے طور پر سورۂ قدر کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

۱= حق یہ ہے کہ نازل کیا قرآن شبِ قدر میں ہم نے۔
۲= کیا جانتے ہیں آپ شب قدر کی وقعت۔
۳= اس قدر کی اک شب کی عبادت، ہزار مہینوں کی عبادت سے ہے بڑھ کر۔
۴= اس رات اترتے ہیں زمیں پر، جبرئیل فرشتوں کے جلوں میں، اجازت سے وہ
رَب کے، اور ساتھ لیے آتے ہیں احکام بھی رب کے، یہ شب تو سراپا ہے خود ہی
رحمت و برکت۔

۵=اور صبح تلک رہتی ہے اس کی یہی حالت۔(۶۱)

۱۰۔ ''مفاہیم القرآن'' از ڈاکٹر احمد حسین احمد قریشی قلعہ داری

پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین احمد قریشی قلعہ داری گجرات کے مشہور عالمِ دین علامۂ زمان مولانا مولوی محمد عبدالکریم قریشی قلعہ داری مرحوم کے فرزند ہیں، یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر احمد حسن کو ابتدائی عمر سے ہی دین کے ساتھ شغف پیدا ہوگیا۔ آپ نے ۱۹۷۲ء میں فارسی نظم میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک ''حیاتِ جاوداں'' کے نام سے لکھی۔ قرآن مجید کے مطالب مفاہیم کو نظم میں پرونے کا آغاز ۱۹۵۴ء میں کیا، ابھی صرف چار یا پانچ پاروں کے مفاہیم کو نظم کی شکل یہ دے پائے تھے کہ ''فترۃ'' کا زمانہ آگیا، پھر ایک طویل انقطاع کے بعد ۱۹۸۵ء میں اس سلسلہ کو دوبارہ شروع کیا اور صرف چار پانچ ماہ کی مساعئ جمیلہ سے یہ عظیم المرتبت کام ۲۷رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/ ۱۶رجون ۱۹۸۵ء کو بوقت عشاء اپنی تکمیل کو پہنچا(۶۲)۔

ڈاکٹر احمد حسن قریشی کو اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ کلام الٰہی کا ترجمہ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنے کی بجائے اس کے مطالب و مفاہیم کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ ''ضروری انتباہ'' کے عنوان کے تحت آپ خود رقم طراز ہیں:

> ''مثنوی ہذا مفاہیم القرآن کی ظاہری صورت قرآن مجید کے منظوم ترجمہ کی سی ہے، لیکن حقیقت میں یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں ہے، اس پر ہرگز ترجمہ کا التزام نہ کیا جائے۔ میں نے صرف قرآن مجید کے مفاہیم اور مطالب اپنی بساط کے مطابق نہایت سادہ انداز میں بیان کیے ہیں کہ قارئین اس سے استفادہ کرسکیں اور اس پر عمل پیرا ہوکر سعادتِ دارین کی دولت حاصل کرسکیں۔ یہ میری طرف سے پھر گزارش ہے یہ مثنوی قرآن مجید کا ترجمہ نہیں صرف مفاہیم ومطالب کا مجموعہ ہے''(۶۳)۔

مصنف ہی کے زیرِ اہتمام رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء میں ادارۂ اشاعۃ ''القرشیہ'' قلعہ دار ضلع گجرات سے بطع ہوکر یہ منظوم مطالب ومفاہیم منظر عام پر آئے۔ ابتداء میں حمد ونعت کے بعد ''عرض حال'' کے عنوان سے ایک طویل نظم ہے جس میں قلعہ داری صاحب کے خاندان کے اکابر اور ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ ہے۔ یہ منظوم مفایم ومطالب دو جلدوں میں ہیں اور ہر جلد پندرہ پاروں

پر مشتمل ہے۔

اس کی طباعت میں ایک سقم یہ در آیا کہ متعدد مقامات پر شعری مفہوم پہلے درج ہو گیا اور قرآنی متن اس اگلے صفحے پر۔ ڈاکٹر صاحب اس کی وضاحت کچھ اس طرح سے کرتے ہیں:

''میں نے مثنوی ہذا مفاہیم القرآن کے ساتھ متنِ قرآن مجید بحکم سرکار والا و بغرض حوالہ و مطالب شامل کر دیا ہے۔ آیاتِ قرآن مجید اور اشعار مفاہیم القرآن پر نمبر درج کر دیے ہیں تا کہ حوالہ کی تلاش میں آسانی رہے۔ افسوس صرف اس قدر ہے قرآن مجید کی آیات اور مفاہیم و مطالب کے اشعار باوجود صفحات کے آمنے سامنے ہونے کے آمنے سامنے نہیں آ سکے۔ یہ کوتاہی اس لیے سرزد ہوئی کہ قرآن مجید کی فصیح و بلیغ زبان کے الفاظ تھوڑے ہیں اور مفاہیم و مطالب سمندروں کی موجوں سے زیادہ ہوتے ہیں جن کو دنیا کی کوئی زبان کماحقہٗ بیان نہیں کر سکتی۔ اردو زبان اور منظوم بیان میں مفاہیم کے الفاظ زیادہ ہیں اور قرآن مجید کے الفاظ کوزے میں دریا نہیں سمندر بند ہیں۔ اس کوتاہی کا واقع ہونا ضروری اور مجبوری ہے، دوسرے یہ کہ کمپیوٹر کی کمپوزنگ بھی معذور نظر آئی''(۶۴)۔

نمونہ کے لیے سورۃ الضحیٰ کے مفاہیم و مطالب ملاحظہ ہوں:

قسم ہے روز روشن کی سنائی　　قسم شب کی سکوں بن کر جو آئی
تجھے اللہ نے ہرگز ہے نہ چھوڑا　　نہ ہو ناراض منہ تجھ سے ہے موڑا
تمہارے واسطے ہاں بعد کا دور　　یقیناً پہلے سے بہتر ہے ہر طور
تو خوش ہو جائے گا جلدی جب اللہ　　تجھے ہر طرح کی نعمت وہ دے گا
یتیم اُس نے تجھے پایا یہ جانا　　مہیا کر دیا تجھ کو ٹکانا
تجھے جب شوق میں اللہ نے پایا　　تجھے اس نے عیاں رستہ دکھایا
تجھے اللہ نے تھا نادار پایا　　تجھے اس نے غنی ہاں کر دیا تھا
لہٰذا تم یتیموں کو نہ جھڑکو　　نہ سائل سے کبھی سختی سے بولو

خدا کی نعمتوں کا ذکر ہر دم کرو ہر وقت میں ہر طور میں تم (۶۵)

۱۱۔ ''نظم القرآن'' از محمد امین میاں

محمد امین میاں کا تعلق جڑانوالہ فیصل آباد سے ہے، آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی (کیمسٹری) کی ڈگری حاصل کی۔ قرآن مجید و فرقانِ حمید کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوکر ''نظم القرآن'' کے نام سے قرآن مجید کا مکمل آزاد نظم میں اردو ترجمہ ہے اور حال ہی میں رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ میں طبع ہوکر منصۂ شہود پر آیا ہے۔ ہر صفحہ پر دو کالم بنائے گئے ہیں، ایک کالم میں قرآنی متن اور اس کے مقابل کالم میں منظوم ترجمہ، آیات اور ترجمہ ہر دو جانب میں نمبر لگائے گئے ہیں۔ مصنف نے خود ہی اس کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ کمپوزنگ سے لے کر طباعت کے تمام مراحل تک ہر کام کو انتہائی سلیقہ مندی سے سرانجام دیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اس کی طباعت کا اہتمام کسی ماہر اور تجربہ کار پبلشر نے کیا ہو مگر بقول مصنف یہ ان کا پہلا تجربہ ہے۔ نفیس کاغذ سے اس کا صوری حسن دوگنا ہوگیا ہے۔ معنوی لحاظ سے کس قدر مزین ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے سورۂ نصر کی منظوم ترجمانی ملاحظہ ہو:

اللہ کے نام سے جو ہے رحیم و مہرباں سراسر
جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے ادھر ۱
اور آپ دیکھیں اللہ کے دین میں آتے بشر
جوق در جوق ، لشکروں کے لشکر
تو حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کر
اور اس سے بخشش کی التجا کر
تحقیق وہ کرنے والا ہے درگزر (۶۶)

۴۔ غیر مطبوعہ مکمل تراجم

قرآن حکیم کے مکمل تراجم کے ساتھ چند نامکمل تراجم بھی شائع ہوئے ...... جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۲۔ ''منظوم قرآنی مفہوم'' از قاری محمد ابراہیم

حافظ قاری محمد ابراہیم خلف الرشید حاجی مہتاب الدین امرتسری (۱۰ اگست ۱۸۹۶ء - ۲۷ فروری ۱۹۹۲ء) کا تعلق بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ سے تھا، آپ کوئٹہ کی علمی وادبی محفلوں میں ایک خاص مقام رکھتے تھے، کم وبیش سبھی اصناف میں شعر کہتے تھے اور خوب کہتے تھے، شاعری میں آپ سید ظفر ہاشمی (۶۷) سے اصلاح لیتے تھے، قاری ابراہیم کو تاریخ گوئی میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا، آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے معانی ومفاہیم کو اشعار کے قالب میں ڈھالا، قرآن مجید کا ترجمہ چونکہ انتہائی حزم واحتیاط کا متقاضی ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہوتی، اس لیے فاضل مؤلف نے منظوم ترجمہ کی بجائے قرآنی مفہوم کو نظم کیا ہے اور اس کا نام ''منظوم قرآنی مفہوم'' رکھا ہے، یہ تقریباً بیس ہزار اشعار پر مشتمل مکمل قرآن مجید کی تفسیر ہے جس کو حافظ صاحب نے دس برس کی محنت شاقہ کے بعد ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۷ء میں مکمل کیا (۶۸)، فاضل مؤلف کو اس دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً سولہ سال کا عرصہ بیت گیا ہے مگر تا حال یہ تفسیر طبع نہیں ہو سکی۔ نمونے کے طور پر سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ ومفہوم ملاحظہ ہو:

یہی ہے نکتہ آغاز اس کا — کھلے سب پر کہ جو ہے راز اس کا
یہ جب تکمیل تک پہنچے تو ہر راہ — کہیں بے ساختہ الحمد للہ
ستائش ہے اس کی اس کے لائق — کہ موجودات کا ہے جو کہ خالق
وہ ہر دل نے جسے اپنا لیا ہے — اسی کے واسطے حمد و ثنا ہے
وہ جو روزی رساں دل کے قریں ہے — بہر عنوان وہ رب العالمین ہے
اسی رحمان کا ہے لطف ہر آن — رحیمی جس کی ہے نمایاں ہر آن
اطاعت کے لیے ہے ایک آقا — سوائے اس کے ہے جو بت سراپا
مٹایا جور و استبداد جس نے — یہ بندے کر دیئے آزاد جس نے
اب اپنے سامنے آئین بھی ہے — نگہ میں جس سے یوم الدین بھی ہے
اسی دستور کا اعلان ہے یہ — کہ جس سے وحدت وایقان ہے یہ

یہی ہے نعبد کا اصل حاصل
بنیں ہم عبد اس کے اور کامل
خدایا جب چلیں بہر سفر ہم
نہ ہو کوئی مؤخر اور نہ اقدم
قدم راہِ ہدایت پر اٹھائیں
بہرآں استقامت اس سے پائیں
اعانت ہے تیری مطلوب ہم کو
کہ تیری راہ ہے محبوب ہم کو
تیری امداد پر ہم کو یقین ہے
کہ جب تو ہی ہمارا نستعین ہے
جو انعمت علیہم کا ہے مقصود
نگاہوں کو وہی منزل ہے محمود
رہے اب سامنے حق کی گواہی
ہمیں توفیق دے تو یا الہی
بھٹک جائیں نہ ہم اس راستے سے
چلیں ہر گام تیرے واسطے سے
نہیں مغضوب اسے بننا گوارا
ہمیشہ جس کو ہو تیرا سہارا
بنے ہیں حامل آئین جب ہم
تو پھر کیوں ہوں ولا الضالین اب ہم
رہیں گے اس امانت کے امین ہم
یہ وعدہ کر رہے ہیں بالیقین ہم
کہیں آمین مل کر اہل ایمان
کہ سرآنکھوں پر رکھیں گے قرآن(۶۹)

۱۳۔ علامہ اصغر علی کوثر وڑائچ کا منظوم ترجمہ

علامہ چودھری اصغر علی کوثر وڑائچ روزنامہ نوائے وقت لاہور سے وابستہ ہیں۔''لاہوریات'' کے عنوان سے مستقل کالم لکھتے ہیں۔علامہ صاحب نے بھی منظوم تراجم کی ''وادیٔ پُرخار'' میں قدم رکھا اور قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کیا ہے اور یہ منظوم ترجمہ ''بحرمتقارب'' میں ہے۔تاحال یہ ترجمہ غیر مطبوع ہے(۷۰)۔

۱۴۔ ''انوارالایمان''از ملک محمد علی شجاع

ملک محمد شجاع نعتیہ شاعری میں احمد تخلص رکھتے ہیں، آپ ۲۴ رفروری ۱۹۵۵ء کو کیپٹن (ر) ملک امیر محمد خان کے ہاں پیدا ہوئے۔۱۹۷۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی، تکمیلِ تعلیم کے بعد حبیب بینک لمٹیڈ سے وابستہ ہوگئے، ۱۹۹۷ء میں بطور آفیسر و منیجر ملازمت سے رضا کارانہ بنیاد پر ریٹائرمنٹ لے لی، آج کل ڈھلی (تحصیل تلہ گنگ، ضلع چکوال) میں مقیم ہیں۔آپ نے شاعری میں

صنفِ نعت کو منتخب کیا۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ کے دل میں قرآن مجید کے منظوم ترجمہ کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اس پر دوستوں کی مشاورت کے بعد کام شروع کر دیا۔آپ نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں بھی کیا، ہر دو زبانوں میں منظوم ترجمے کا کام مکمل ہو چکا ہے، اردو ترجمے پر نظر ثانی بھی ہو چکی ہے اور انگریزی ترجمے پر نظر ثانی کا کام جاری ہے۔شجاع صاحب نے اس منظون ترجمے کا نام ''انوارالایمان'' تجویز کر رکھا ہے۔

نمونے کے طور پر آیۃ الکرسی کا منظوم اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

ہے اللہ تعالیٰ جس کے سوا نہ کوئی اور خدا ہے
آپ وہ زندہ ہے اور اوروں کو قائم رکھنے والا ہے
اس کو اونگھ نہ نیند آئے، ستاتا اور نہ وہ سوتا ہے
سبھی سماوات اور زمیں میں جو کچھ بھی ہے سب اس کا ہے
اس کے حکم کے بنا اس کے ہاں کون سفارش کر سکتا ہے
علم اسے ان کے آگے پیچھے کی ساری چیزوں کا ہے
اور کچھ گھیر نہ پائیں علم وہ اس کا ، ہاں جتنا وہ چاہے
سبھی سماوات اور زمیں کو اس کی کرسی نے گھیرا ہے
اور ان کی نگرانی سے اکتاتا اور نہ وہ تھکتا ہے
اور وہی سب سے بالا و برتر ہے عظمت والا ہے (۷۱)

۵۔مطبوعہ جزوی تراجم

۱۵۔　''تفسیر مرتضوی'' از مولانا شاہ غلام مرتضیٰ جنون

مولانا شاہ غلام مرتضیٰ نسباً علوی اور وطناً بہاری تھے، سن پیدائش اور وفات کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔سید عزیز الرحمٰن بلخی مؤلف تاریخِ شعراء بہار لکھتے ہیں کہ آپ ۱۱۵۰ھ سے قبل پیدا ہوئے اور ۱۲۰۰ھ کے بعد وفات پائی، جائے پیدائش اور جائے وفات کا بھی صحیح علم نہیں۔مشہور شاعر سودا کے ہم عصر تھے، آپ صاحب

دیوان شاعر تھے مگر "دیوان" نایاب ہے۔ "تفسیر مرتضوی" کے نام سے دو جلدیں دستیاب ہوئی ہیں، پہلی جلد میں مختلف سورتوں کی منظوم تفسیر ہے اور یہ غیر مطبوعہ ہے، اس کا سن کتابت ۱۲۶۴ھ ہے، اس کا مخطوطہ خانقاہ فتوحہ پٹنہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ دوسری جلد میں مکمل پارہ عم کی منظوم تفسیر ہے اور یہ ۱۳۵۹ھ میں طبع ہوئی ہے (۷۲)۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے پاس بھی تھا، اس قلمی نسخے میں منظوم دیباچہ بھی تھا جو مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے (۷۳)۔

جب یہ منظوم تفسیر لکھی گئی تو اس دور میں نظمِ اردو میں کوئی دوسری تفسیر عالمِ وجود میں نہیں آئی تھی، لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں منظوم تفسیری ادب میں اس کو اولیت کا فخر حاصل ہے۔

مولانا جنون مرحوم نے اول سورتوں کا شانِ نزول، کلمات وحروف، نیز آیات ورکوع کی تعداد بیان کی ہے، صرفی قواعد، نحوی تراکیب، تحقیقِ الفاظ، حل لغات اور اختلاف قرأت کو جا بجا بیان کرتے ہیں اور اس کے حوالے بھی دیتے ہیں، سورتوں کے اختتام پر ان کے خوص وادعیہ ماثورہ بھی تحریر کرتے ہیں (۷۴)۔

نمونے کے طور پر ﴿فَحَشَرَ فَنَادٰى فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ (۷۵) کی تفسیر ملاحظہ ہو:

پس بلایا یہ کہا یہ آشکار
میں تمہارا ہوں بڑا پروردگار
پوجتے ہو جو بتوں کو روز و شب
رب اعلیٰ میں ہوں اور ادنیٰ ہیں سب
یہ لطیفہ ہے لطائف میں لکھا
یہ سخن ابلیس نے جس دم سنا
اس طرح کہنے لگا وہ راہزن
کہ میں سن سکتا نہیں ہوں یہ سخن
یوں لگا کہنے دکھا کر پیچ و تاب
کہ مجھے نہ اس سخن سننے کی تاب

۱۶۔ ''نظم القرآن بزبانِ اُردو'' از خاکسارِ حسین بخش سوداگر

حسین بخش میرٹھ کے رہنے والے تھے بعد میں قصور کو اپنا مسکن بنالیا تھا۔آپ نے پہلے پارے کا منظوم ترجمہ کیا ہے جو ۱۳۰۴ھ میں مطبع صحافی لاہور سے ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوا۔یہ ۷۵ صفحات پر مشتمل ہے، آخر میں مترجم موصوف کے اشعار پر مبنی ''پندنامہ'' بھی شامل ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ	بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ
دل غلاف اندر ہمارے ہیں کہا	بلکہ لعنت کرتا ہے ان پر خدا
بِكُفْرِهِمْ	فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ(۷۶)
بہ سبب ہونے کے ان کے کافرین	پس ہیں لاتے لوگ تھوڑا سا یقین (۷۷)

۱۷۔ ''خلاصۂ تفسیر القرآن اردو'' از مولانا مولوی عبداللہ خان عبدی قادری

یہ قرآن مجید کی منتخب آیات کی منظوم تفسیر ہے جو مکتبہ الٰہی آگرہ سے طبع ہوئی،اس میں سن اشاعت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

مولانا عبدی قادری نے اس منظوم تفسیر کو گوجرانولہ میں ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں مکمل کیا،انیسویں صدی کی یہ آخری منظوم کاوش ہے۔اس کی تاریخ تکمیل کے متعلق آپ ایک قطعہ میں اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

ہوا ۱۳۱۶ھ سولہ تیرانسو
لکھا گوجرانولہ میں اب نو بنو
یہ عبدی نے تحفہ لکھا معنوی
اٹھانویں اٹھاراں سو ۱۸۹۸ھ عیسوی

چونکہ اس تفسیر کو ایک صدی سے زائد کا عرصہ بیت گیا ہے، اس لیے اس کے اندر جو تراکیب و محاورے ہیں وہ اب زیادہ مستعمل نہیں ہیں،اس تفسیر کا اندازِ کتابت بھی قدیم ہے۔

۱۸۔ ''تفسیر سورۂ یوسف منظوم'' از محمد اشرف کاندھلوی

یہ سورۂ یوسف کی منظوم تفسیر ہے، اس میں قرآنی متن، منثور ترجمہ اور منظوم تفسیر دی گئی ہے۔ مختصراً کہیں کہیں وضاحتی حواشی بھی ہیں، اس کے کل صفحات ۱۱۴ ہیں۔

۱۹۔ ''مفہوم القرآن'' از کیف بھوپالی

کہا جاتا ہے کہ برصغیر میں خالصتاً منظوم تراجم کی داغ بیل کیف بھوپالی نے ڈالی۔ آپ بلند پایہ شاعر تھے۔ ''آہنگ کیف'' اور شعلۂ حروف (مجموعہ غزلیات) اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ کیف بھوپالی نے حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کے اردو ترجمہ کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ شروع کیا اور تمام آیات کے ترجمے کے لیے ایک بحر اختیار کی اور اس ایک بحر ہی میں ہر طرح کے مضامین کو نظم کیا۔ ابھی سترہ پاروں کا ترجمہ ہی کر پائے تھے کہ زندگی نے وفا نہ کی اور یوں یہ کام ادھورا چھوڑ کر اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے۔

کیف مرحوم اپنی اس کاوش کی اشاعت کی غرض سے سارے ہندوستان میں سرگرداں رہے مگر کامیابی نہ ملی۔ ابتداء میں چند پارے ہی شائع ہو سکے جو طباعتی معیار کے اعتبار سے عمدہ نہ تھے۔

مارچ ۱۹۷۳ء میں والا اکیڈمی عزیز باغ سلطان پورہ حیدرآباد (آندھرا پردیش) سے آٹھ پارے سیقول سے قال الملاء تک شائع ہوئے۔ اس میں قرآنی آیات کے ساتھ شاہ عبدالقادر دہلوی کا نثری ترجمہ بھی شامل تھا۔

مرورِ ایام کی وجہ سے کیف مرحوم کے منظوم ترجمہ کا ایک حصہ ضائع ہوگیا۔ ۱۹۹۳ء میں جناب انیس دہلوی نے بڑی تگ ودو کر کے مرحوم کے ورثاء اور دیگر قدر دانوں سے ''مفہوم القرآن'' کا مسودہ حاصل کیا۔ صرف سولہ پارے ہی دستیاب ہو سکے۔ ان میں بھی چند آیات کے منظوم ترجمے نہ مل سکے۔ پندرہویں پارہ کی سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۲۴ کے بعد منظوم ترجمہ نہ مل سکا۔ یہ سولہ پارے (پہلے پندرہ اور آخری پارہ عم) مئی ۱۹۹۳ء میں سلیم جعفر یونیکیر نیز (امارات) سے شائع ہوئے۔ اس میں ایک تبدیلی یہ کی گئی کہ حضرت شاہ عبدالقادر کے نثری ترجمہ کی بجائے الحاج حافظ قاری فہیم الدین احمد صدیقی میرٹھی کا ترجمہ شامل کر دیا۔ ہر

صفحے کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دو کالموں میں عربی متن اور اس کا نثری ترجمہ اور ان دو کالموں کے نیچے کیف مرحوم کا منظوم ترجمہ ہے۔

ذیل میں سورۃ العصر کا ترجمہ دیا جا رہا ہے تاکہ صاحبِ ترجمہ کی شعری گرفت کا اندازہ ہو سکے۔

قسم ڈھلتے ہوئے دن کی کہ انسان ہے خسارے میں
جہانِ رنگ و نکہت کا یہ مہماں ہے خسارے میں
مبارک لوگ ہیں جو زندگی کی قدر کرتے ہیں
بھیانک ظلمتوں میں روشنی کی قدر کرتے ہیں
جو اپنی پاک بازی میں کنول کا حسن رکھتے ہیں
یقین کا نور رکھتے ہیں، عمل کا حسن رکھتے ہیں
سدا ''اعلانِ حق'' کرتے ہیں شمشیروں کے سائے میں
تحمل کیش رہتے ہیں غموں کی ہائے ہائے میں

۲۰۔ ''نظمِ مقدس'' از آغا شاعر قزلباش دہلوی

آغا شاعر قزلباش نے بقول ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم کے مکمل منظوم ترجمہ لکھا (۸۷)، یہ غالباً قیامِ پاکستان سے پہلے لکھا گیا۔ اس منظوم ترجمے کو علماء کرام نے خوب سراہا اور اپنی وقیع آراء و تبصروں سے نوازا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا احتشام الحق تھانوی، خواجہ حسن نظامی دہلوی، عبدالرحمٰن دہلوی، مفتی عبدالقادر بدایونی، سید علی حائری اور مفتی کفایت اللہ وغیرہ نے اس ترجمے پر تقاریظ لکھیں۔

راقم الحروف نے اس ترجمے کے چھ مطبوعہ پارے دیکھے ہیں، دو دو پاروں کی ایک جلد ہے، پہلی جلد اکتوبر ۱۹۷۴ء میں طبع ہوئی جس میں پارہ اول و دوم ہیں، دوسری جلد اپریل ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی جو سیقول اور تلک الرسل پر مشتمل ہے اور ایک جلد مئی ۱۹۷۸ء میں منظر عام پر آئی جس میں واذا سمعوا اور ولو اننا ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ والمحصنٰت اور لایحب اللّٰہ بھی مطبوعہ ہوں گے۔ ڈاکٹر اعجاز فاروق لکھتے ہیں کہ تاحال صرف دو پارے طبع ہو سکے ہیں، غالباً انہوں نے کوئی ایک جلد دیکھی ہوگی اور انہوں نے اس کا نام

بھی ''افصح الکلام'' لکھا ہے، جبکہ اس کا نام ''نظمِ مقدس'' ہے(۷۹)۔

اس منظوم ترجمے کو قزلباش شان صدر کراچی نمبر ۳ نے طبع کیا ہے، اس منظوم ترجمے کو اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ صفحہ کے دو کالم بنائے گئے ہیں، ایک کالم میں ایک آیت بینہ یا اس کا مختصر حصہ، اس کے تحت شاہ عبد القادر محدث دہلوی کا نثری ترجمہ اور اس کے مقابل اس آیت یا جزوِ آیت کا منظوم ترجمہ ہے۔ضرورتِ شعری کی وجہ سے اگر کوئی اضافہ ہے تو وہ قوسین میں ہے۔نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾(۸۰)

پس زلزلے نے اُن کو دھر پکڑا (مر ہٹے وہ)

اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے رہ گئے وہ

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾(۸۱)

آیات سے خدا کی منکر جو ہو تو اُس کا

جلدی حساب لینے والا ہے حق تعالیٰ

۲۱۔ ''روحِ قرآن'' از خواجہ دل محمد

قیامِ پاکستان کے بعد سب سے پہلی قرآن مجید کی منظوم خدمت خواجہ دل محمد ایم۔اے نے روحِ قرآن کے نام سے کی، ''روح قرآن'' کی تکمیل ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوئی، فاضل مصنف نے ''قیامِ پاکستان'' کی خوشی میں اس کتاب کو ''اسلامیانِ پاکستان'' کے نام معنون کیا ہے۔

خواجہ دل محمد اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل رہے ہیں اور بعد میں پنجاب یونیورسٹی سے بھی وابستہ رہے ہیں۔

''صد پارۂ دل'' خواجہ صاحب کا بہترین ادبی کارنامہ ہے، اس میں آپ کی پانچ سو حکیمانہ، عارفانہ، روحانی اور اخلاقی رباعیات ہیں۔۱۹۴۶ء میں گورنمنٹ پنجاب نے اس کتاب کو بہترین ادبی کارنامہ قرار دیتے ہوئے مصنف کو انعامی رقم مبلغ ایک ہزار روپے سے نوازا۔

خواجہ صاحب کا دوسرا بڑا کارنامہ سورۃ الفاتحہ کا منظوم ترجمہ وتفسیر وتشریح ہے جو آپ نے ''روحِ قرآن'' کے نام سے لکھی۔یہ ۴x۶ کے سائز کے ۲۴۱ صفحات پر مشتمل ہے۔خواجہ بکڈپو موہن لال روڈ لاہور

سے پہلی مرتبہ ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی۔ سورۂ فاتحہ کے منظوم ترجمہ کے علاوہ ایک ہزار اشعار میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے جبکہ ترجمہ نو اشعار پر مشتمل ہے، صفحہ ۵ سے لے کر ۲۳ تک سورۂ فاتحہ کے فضائل بیان کیے گئے ہیں جو کہ منثور ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۲۴ (دائیں صفحے) پر سورۂ فاتحہ کا متن اور اس کے مقابل صفحہ ۲۵ (بائیں صفحے) پر اس کا منظوم ترجمہ ہے جو کہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:۔

میں لوں پہلے اللہ کا نام جو رحمٰن ہے جس کی رحمت ہے عام
اُس اللہ کی حمد ہے بار بار جو ہے سب جہانوں کا پروردگار
جو رحمٰن ہے جس کی رحمت ہے عام ہے لطف وکرم جس کا ہم پر مدام
شہنشاہِ روزِ جزا ہے وہی کہ انصاف والا خدا ہے وہی
الٰہی تیرے ہم پرستار ہیں تجھی سے مدد کے طلبگار ہیں
الٰہی ہمیں راہ سیدھی دکھا الٰہی ہمیں کج روی سے بچا
الٰہی چلیں اُن کے رستے پہ ہم کیا جن پہ انعام تو نے کرم
ہمیں راہ سے ان کی یارب بچا جو تیرے غضب میں ہوئے مبتلا
بچا گمراہوں سے لگی جن کو بھول
الٰہی ہماری دعا ہو قبول

اس کے بعد سورۂ فاتحہ کے ایک ایک لفظ کو لے کر ان کی تفسیر کی گئی ہے مثلاً الرحمٰن الرحیم کی تفسیر میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تری شانِ رحمت زمین و زماں تری شانِ رحمت مکین و مکاں
تری شان رحمت مہ و آفتاب سحاب و شہاب و حیات و شباب
تری شانِ رحمت طلوع و غروب تری شان رحمت شمال و جنوب
تری شان رحمت جانِ حسیں بہار و نگار و گل و یاسمیں
تری شانِ رحمت شمیم و صبا فضا و ہوا و صدا و نوا (۸۲)

۲۲۔ ''آبشارنور'' از دلاور فگار

اصل نام دلاور حسین، تخلص فِگار اور قلمی نام دلاور فگار ہے۔ ۸ر جولائی ۱۹۲۹ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے، آپ کے والد شاکر حسین بدایوں کے ایک کالج میں استاذ تھے۔ دلاور فگار کے خاندان میں بیشتر لوگ شاعر اور ادیب ہوئے ہیں، جن میں شمائل حسین راغب، منور بدایونی اور محشر بدایونی قریبی اعزا تھے، دلاور فگار کے جد امجد علی حاتم معروف طنز نگار تھے۔ آپ کے والد شاعری کے سخت مخالف تھے اور آپ کو مشاعروں میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

۱۹۴۸ء میں آپ کے والد سخت بیمار ہوگئے اور چلنے پھرنے کی سکت نہ رہی، جس کی وجہ سے گھر میں تنگی ہوئی اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو انیس سال کی عمر میں ڈاک خانے میں ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ آپ نے ملازمت کے ساتھ تعلیم بھی جاری رکھی، پھر آپ نے ڈاک خانے کی ملازمت ترک کر کے دوسری ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔ اس دوران آپ نے بی۔اے اور ٹریننگ کورس مکمل کر لیا اور ذریعہ معاش کے لیے ٹیوشنوں کا سہارا لیا۔ یوں آپ پیشۂ تدریس سے منسلک ہو گئے۔ ابتداء میں بدایوں کے مختلف سکولوں میں تعلیم دی اور پھر بدایوں کے اسلامیہ کالج میں مستقل ملازمت مل گئی۔ اس ملازمت کے دوران پرائیویٹ طور پر معاشیات اور اردو میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی اور ثانی الذکر میں تو اول پوزیشن کے ساتھ گولڈ میڈل حاصل کیا۔ ایم۔اے انگلش بھی کرنا چاہتے تھے مگر سال اول میں کم نمبر آنے کی وجہ سے ارادہ ملتوی کر دیا (۸۳)۔

دلاور فگار نے آنکھ کھولتے ہی اپنی بستی اور گھر میں شعر و سخن کا چرچا پایا، لہٰذا یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کو بھی اس کا شوق نہ ہوتا، فگار ابتداء میں سنجیدہ غزل کہتے تھے، آپ کی ایک سنجیدہ غزلوں کا مجموعہ ''حادثے'' شائع بھی ہوا تھا، پھر آپ سنجیدہ غزل گوئی سے مزاح نگاری کی طرف مائل ہو گئے، جس نے ہندوستان میں آپ کو بڑی شہرت بخشی۔ ہر مشاعرے میں مدعو کیے جاتے اور بہت سی مزاحیہ نظمیں لکھیں جن کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی (۸۴)۔

دلاور فگار ۱۹۶۸ء میں ہندوستان سے کراچی منتقل ہو گئے، کراچی کے مشاعروں میں بھی آپ کو بڑی پذیرائی ملی، آپ کے مزاحیہ قطعات اور نظمیں بڑی مقبول ہوئیں، آپ کو دوسرے شہروں میں بھی

مشاعرے کے لیے مدعو کیا جانے لگا اور آپ کا کلام مختلف رسائل واخبارات کی زینت بننے لگا(۸۵)۔

آپ کراچی میں کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی سے وابستہ رہے،۱۹۷۲ء میں اس محکمے سے مستعفی ہوکر اپنے آپ کو علم وادب کے لیے وقف کردیا اور سورۃ الفاتحہ کی مختصر منظوم تفسیر ''آبشارنور'' کے نام سے لکھی۔

حکیم محمد سعید مرحوم (م:۱۷/اکتوبر۱۹۹۸ء) جناب دلاور فگار اور ان اس تفسیر کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

> ''جناب دلاور فگار صاحب ہمارے ملک کے ممتاز شاعر ہیں، مزاح نگاری میں مخصوص ومنفرد انداز کے حامل ہیں، اسی کے ساتھ ان کو قبول عام بھی حاصل ہے۔اب انہوں نے قرآن حکیم کی تفسیر کو منظوم کرنا شروع کیا ہے، سورہ فاتحہ کی تفسیر اس وقت پیش نظر ہے، اس میں دلاور فگار صاحب کی مہارت وقدرتِ کلام پوری طرح منعکس ہے''(۸۶)۔

۲۵/جنوری ۱۹۹۸ء کو یہ خوش کلام، خوش گو شاعر جو مغموم چہروں کو ہنس مکھ چہروں میں بدل دینے کی قدرت رکھتا تھا، دنیائے فانی رشتہ توڑ کر مالکِ حقیقی سے جاملا(۸۷)۔

''آبشارِنور'' سورۃ الفاتحہ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی منظوم تفسیر ہے، یہ قرآن حکیم کی منظوم تفسیر کے سلسلہ کی پہلی کڑی تھی، مگر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس کے بعد بھی اس کی کوئی قسط شائع ہوئی یا نہیں؟۱۶/صفحات پر مشتمل یہ تفسیر ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے تعاون سے شائع ہوئی، سن اشاعت کا کہیں ذکر نہیں اور اس بات کا بھی کہیں ذکر نہیں کہ کتنی منظوم تفسیر مکمل ہوچکی ہے اور کتنی باقی ہے؟

مولانا امداداللہ عباسی جونپوری (مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادالعلوم کراچی) نے اس منظوم تفسیر کو پسند کرتے ہوئے اس پر اپنی رائے لکھی ہے۔نمونے کے طور پر ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ﴾ کی منظوم تفسیر ملاحظہ ہو:

یہ رستہ اُن کا ہو تو نے جنہیں انعام بخشے ہیں
وہ جن کو مسکراتی زندگی کے جام بخشے ہیں

یہاں انعام کا مقصد نہیں ہے مادّی دولت
کہ یہ انعام چھن جاتا ہے جب انسان ہو رخصت
خطاباتِ شہنشاہی فریبِ دیدہ و دل تھے
کہ یہ انعام تو نمرود و قاروں کو بھی حاصل تھے
یہاں انعام سے مقصود اک کیف دوامی ہے
اسی میں کامیابی ہے ، اسی میں نیک نامی ہے(۸۸)

۲۳۔ ''تنظیم القرآن'' از چوہدری رشید احمد

یہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے منظوم ترجمے پر مشتمل ہے۔ یہ پہلی مرتبہ جون ۱۹۸۳ء میں مکتبہ تنظیم القرآن مانانوالہ ضلع شیخوپورہ سے شائع ہوئی۔ ۴×۷ کے ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کل ۱۲۲۷ ر اشعار ہیں۔ اس منظوم ترجمہ میں قرآن مجید کا متن نہیں دیا گیا ہے چونکہ مصنف کے پیش نظر قرآنی مطالب ونصائح کو عام فہم بنا کر پیش کرنا تھا۔ پروفیسر سید خورشید حسین بخاری (۸۹) نے اس پر ایک مختصر سی تقریظ لکھی ہے۔

اس ترجمہ کی دو خصوصیات ایسی ہیں جو اس کو دیگر منظوم تراجم سے ممتاز کر دیتی ہیں۔

۱۔ مترجم نے ایک ہی موضوع کی آیات پر ایک عنوان قائم کر دیا ہے جو موضوع کو بالکل واضح کر دیتا ہے۔ کل ۱۰۷ عناوین قائم کیے ہیں جن سے تحقیق کرنے والوں کو استفادہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ہر عنوان اپنے موضوع کا مکمل احاطہ کرتا ہے۔

۲۔ اس منظوم ترجمہ کا دوسرا امتیازی وصف یہ ہے کہ ہر آیت کے مطالب الگ الگ نظم کیے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ آیت کے نمبر بھی درج کر دیئے گئے ہیں تا کہ عربی متن نہ ہونے کی وجہ سے قاری کو کسی قسم کی دقت نہ پیش آئے۔

چوہدری رشید احمد نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ ترجمہ عام فہم اور سلیس ہو۔ اگر کہیں وضاحتی نوٹ کی ضرورت محسوس کی تو انتہائی مختصر نوٹ بھی لکھے ہیں۔ مصنف موصوف نے ترجمہ کرتے وقت انتہائی حزم واحتیاط سے کام لیا ہے تا کہ قرآنی مطالب ومفاہیم میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو جائے اور ترجمہ کرتے

وقت شگفتگی بیان، روانی زبان اور تراکیب کے دروبست میں کوئی فرق نہیں آنے دیا اور قرآن کے مفہوم کے ساتھ ساتھ اس کے جلالی، جمالی اور استدلالی اسلوب کا بھی لحاظ رکھا۔ بطور نمونہ ایک دو آیات کے منظوم مطالب مع آیات تحریر کرنا مناسب خیال کرتا ہوں:

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ. ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾(۹۰) پر ''شہیدوں کو مردہ مت کہو'' کا عنوان قائم کر کے اس کا منظوم ترجمہ کچھ اس طرح سے کرتے ہیں:

وہ جو ہیں قتیلِ سبیلِ خدا
نہ مردہ کہو ان کو تم برملا
وہ ہیں بلکہ زندہ خدا کے حضور
ولیکن نہیں تم کو اس کا شعور(۹۱)

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾(۹۲) پر ''اللہ اہل ایمان کا دوست ہے'' کا عنوان قائم کر کے کچھ اس طرح اس کے مفہوم کو شعری قالب میں ڈھالتے ہیں:

خدا دوست ہے اہل ایمان کا — محبّ و ولی اہل عرفان کا
ہے ظلمت سے لاتا انہیں نور میں — عیاں جیسے ہو جلوۂ طور میں
ہاں جو لوگ بھی اہل انکار ہیں — شیاطین ان کے مددگار ہیں!
انہیں کھینچتے ہیں وہ ظلمات میں — بنیں روک عرفاں کی ہر بات میں
ہے نارِ جہنم ہی ان کا مقام — کریں گے اسی میں یہ دائم قیام(۹۳)

الغرض! ابتداء سے انتہاء تک یہی سلاست، زورِ بیان اور روانی ہے اور مطالب کی تفہیم میں کسی مقام پر کوئی الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا۔

۲۴۔ ''تیسواں پارہ'' از عقیل روبی

احمد عقیل روبی حلقۂ لاہور۔ کے نامور شاعر، نقاد اور ادیب ہیں، آپ ۱۹۴۰ء میں لدھیانہ (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ضلع خانیوال کو اپنا وطن بنایا، تعلیمی سفر طے کرتے کرتے لاہور آن پہنچے اور پھر یہاں کے ہو کر رہ گئے۔

۱۹۶۴ء میں ایم۔اے اردو جامعہ پنجاب سے کیا، عملی زندگی کا آغاز بطور استاذ محکمہ تعلیم میں سرکاری ملازمت سے کیا، گورنمنٹ کالج شیخوپورہ، بہاول پور اور مظفر گڑھ میں معلمی کے فرائض سرانجام دیتے رہے، ۲۰۰۱ء میں ایف۔سی کالج سے بطور صدر شعبۂ اردو ریٹائر ہوئے اور آجکل تصنیفی و تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

آپ نے تقریباً تیس کتب تصنیف و تالیف کی ہیں جن میں ناول، خاکے، شعری مجموعے، انگریزی نظموں کے تراجم، سوانح عمریاں (ناصر کاظمی، قتیل شفائی، نصرت فتح علی خان اور ممتاز مفتی وغیرہ کی سوانح عمریاں) شامل ہیں، فلمی گانے اور ٹی۔وی ڈرامے بھی لکھے۔ ''ملی جلی آوازیں'' کے نام سے انگریزی نظموں کا اردو منظوم ترجمہ کیا۔

آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ''تیسواں پارہ منظوم'' ہے، جسے ورڈز آف وزڈم مزنگ لاہور نے آج سے کوئی دس بارہ برس قبل شائع کیا، کتاب پر سن اشاعت کا ذکر نہیں ہے، دائیں صفحے پر قرآنی متن اور اس کے تحت مولانا شبیر احمد عثمانی کا نثری ترجمہ ہے اور بائیں صفحے پر ''قرآنی آیات کا شعری مفہوم'' ہے۔ جناب عقیل روبی اس وقت تک سورہ بقرہ اور سورہ رحمٰن کا منظوم ترجمہ مکمل کر چکے ہیں جو تا حال طبع نہیں ہو سکا (۹۴)۔

۲۵۔ ''نظام القرآن'' از حاجی محمد عمر الدین

حاجی محمد عمر الدین ۱۸ جولائی ۱۹۱۴ء کو جلال آباد (ضلع فیروز پور، ہندوستان) کے گاؤں ''موگا'' یا ''موہکہ'' میں پیدا ہوئے۔ مڈل دھرم کوٹ (موہکہ) سے کیا، ۱۹۳۵ء میں J.V کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۲ء میں ادیب عالم کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۴ء میں ضلع گوجرانوالہ سے S.V ٹیچر کا امتحان پاس کیا۔ قیام پاکستان

کے بعد ہندوستان سے جلّہ جیم (تحصیل میلسی، ضلع وہاڑی) میں مستقل قیام پذیر ہو گئے۔

جلّہ جیم میں بطور ٹیچر عملی زندگی کا آغاز کیا۔۱۹۷۱ء میں مڈل سکول، امیر پور سادات (تحصیل کہروڑ پکا، ضلع لودھراں) سے بطور ہیڈ ماسٹر ریٹائر ہوئے۔(۹۵)

دارالقرآن ٹرسٹ جلّہ جیم کے نائب سرپرست ہیں، اس ٹرسٹ کے تحت ایک رسالہ ''صدائے اسلام'' شائع ہوتا ہے۔ باوجود پیرانہ سالی کے اس رسالے کی نگرانی کرتے ہیں۔قوت حافظہ میں کافی کمی آگئی ہے، اس لیے اب آپ کو بالکل یاد نہیں ہے کہ شاعری میں آپ کے استاذ کون تھے۔

قرآن مجید کی منظوم تفسیر کے علاوہ کوئی اور مجموعۂ کلام یا کوئی اور تصنیف نہیں ہے۔جنوری ۱۹۸۷ء میں منظوم تفسیر کا آغاز کیا اور مارچ ۱۹۹۷ء کو پایۂ تکمیل تک پہنچا۔آپ نے منظوم تفسیر کرتے ہوئے مولانا محمد احمد (کراچی) کی ''درس قرآن'' پیش نظر رکھی۔ فاضل مترجم نے اس مضمون سے باہر کوئی خیال نہیں لکھا، ہمیشہ یہ کوشش کی کہ کوئی جملہ اصل مضمون سے باہر نہ ہو۔آپ نے اس منظوم تفسیر کا نام ''نظام القرآن'' رکھا۔

اس کی دو جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ تیسری جلد ابھی پریس میں ہے۔ ہر جلد دس دس پاروں پر مشتمل ہے۔آپ خود ہی اس کی طباعت کا اہتمام کررہے ہیں۔حروف خوانی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی، بعض جگہ اشعار بھی نثر کے انداز میں لکھے ہوئے ہیں۔

اس تفسیر کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ایک ہی مضمون کی آیت یا چند آیات کو منتخب کر کے اس پر ایک عنوان قائم کرتے ہیں اور ہر سورت کے اختتام پر اس سورت کے مضامین کا خلاصہ اشعار کی صورت میں ذکر کرتے ہیں۔

آیات کے تحت سلیس اور بامحاورہ ترجمہ دیا ہے پھر اس کے آگے ''منظوم مفہوم'' پیش کیا ہے۔

مولانا مفتی محمد کلیم اللہ (مہتمم جامعہ تعلیم القرآن میلسی) نے اس منظوم تفسیر کی تعریف و توصیف کی ہے۔

نمونے کے طور پر ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ وَالْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً وَّ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (۹۶) کی تفسیر سے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

اُن سے کرو جہاد جو کفار آس پاس
دَب کر نہ ڈر کر نہ کرو کبھی ان سے ہراس
سختی دکھانا چاہیے لڑنا پڑے جو خوب
کثرت کو دیکھ کر کبھی گھبرائیں نہ قلوب
نکلو جو گھر سے اکڑ فوں آئے نہ جان پر
ہر حال میں نامِ خدا رہے زباں پر
ظاہر نہ ڈھیلا پن تمہاری حرکتوں سے ہو
مضبوط بن کے سامنے عدو کے تم رہو
تقویٰ پہ ہو نگاہ، جو جہاد کی بنا
پورا خیال ہو، چھٹے نہ دامنِ خدا
دشمن کی شوکت دیکھ کر پیدا نہ ہو ہراس
شہرت کی نہ کرو طمع، زر کی نہ ہو پیاس(۹۷)

۲۶۔ ''لوحِ محفوظ سے'' از سجاد احمد ساجد مراد آبادی

آپ کا نام سجاد احمد اور تخلص ساجد مراد آبادی ہے، آپ نے ایم۔اے معاشیات، ایم۔اے صحافت اور ایل۔ایل۔ایم کیا ہے۔ بنیادی طور پر آپ قانون کے استاذ ہیں، ''پیغامِ راہ'' (سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)، ''نعمتِ پاکستان'' (تحریک حصولِ پاکستان) اور ''حساس جذبے اور شہر مظلوم'' (نظمیں) آپ کی مطبوعہ کتب ہیں۔

آپ نے مولانا مودودی کی طرز پر ترجمے کی بجائے قرآنی تفہیم کا انداز اپنایا، آپ نے قرآن مجید کی شعری تفہیم نگاری ''لوح محفوظ سے'' کے نام سے کی ہے، لوح محفوظ ۱۴ اگست ۲۰۰۶ء/ ۱۴۱۷ھ میں الخلیل پاکستان ایجوکیشن ویلفیئر سوسائٹی کراچی سے شائع ہوئی۔ ساجد مراد آبادی کے کام کی علمی، ادبی اور فکری قدر و قیمت کیا ہے، اس ضمن میں مفتی اظہر نعیمی، پروفیسر حافظ محمود حسین، پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد، اقبال احمد صدیقی، پروفیسر بیرسٹر ثمین خاں، پروفیسر ڈاکٹر عبد القدیر اور پروفیسر عبد الماجد وغیرہم کی وقیع

آراء کتاب کا حصہ ہیں۔

فاضل مترجم نے سورہ فاتحہ، سورہ رحمٰن، سورہ یٰسین، آیت الکرسی، انتیسویں اور تیسویں پارے کے مضامین کو شعری قالب میں ڈھالا ہے، نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

کروں ابتداء اسم رحمان سے رحم کرنے والے مہربان سے
کیا فیصلہ میں نے پیارے حبیب رہیں گے سدا خوار تیرے رقیب
لہب تیرے بازو گئے دونوں ٹوٹ مزے زندگی کے نہ اب اور لوٹ
وہ برباد ہو کر ہوا نامراد رکھو اے محمد ﷺ ذرا دل کو شاد
نہ کام آئی دولت نہ مال و کسب ہوا اس پہ نازل جو میرا غضب
جہنم کے شعلوں کی وہ ہے غذا نہ بیوی بھی اس کی رہے گی جدا
جو ماضی میں ڈھوتی رہی لکڑیاں مگر اب وہ کرتی ہے خرمستیاں
وہ راہوں میں کانٹے بچھاتی رہی محمد ﷺ کو میرے ستاتی رہی
بٹی رسی گردن میں اس کے پڑی ملے گی وہ شعلوں میں تنہا کھڑی
ہے قہر خدا دشمنوں کے لیے
سبق اس میں ہے مومنوں کے لیے (۹۸)

۲۷۔ چند سورتوں کی منظوم ترجمانی از مرزا آصف رسول

برادرم مرزا آصف رسول ۱۸ اگست ۱۹۷۵ء میں پیدا ہوئے، جامعہ نقشبندیہ رضویہ سانگلہ ہل سے حفظِ قرآن مجید کی سعادت حاصل کی، ایم۔اے عربی پنجاب یونیورسٹی سے، ایم۔اے فارسی جی سی یونیورسٹی سے اور ایم۔فل فارسی پنجاب یونیورسٹی سے کیا، آپ گورنمنٹ گورونانک ڈگری کالج ننکانہ صاحب میں عربی کے استاذ ہیں۔

مرزا صاحب نے بھی مختلف سورتوں کی منظوم ترجمانی کی ہے جو کہ مختلف مجلوں جیسے شرق اورینٹل کالج اور اشراق لاہور میں شائع ہوئی ہے۔

نمونے کے طور پر سورۃ العصر کی منظوم ترجمانی ملاحظہ ہو:

زمانہ شاہد ہے اس حقیقت پہ
ابن آدم خسارے میں ہے
جو اپنی اندھی ہوس کے ہاتھوں
ازل سے نقصاں اٹھا رہا ہے
یہ منزلِ سود کا مسافر
زیاں کی راہوں پہ جارہا ہے
مگر یہ حق ہے
خدا کے مومن
جو مانتے ہیں حقیقتوں کو
خدا اور اس کی رسالتوں کو

اور ان کا طرزِ عمل بھی ان کے یقینِ محکم کا آئینہ ہے

شعار، تقویٰ و پارسائی
وطیرہ مخلوق کی بھلائی
یہ ان کی ہستی کا لازمہ ہے

پھر اپنے احباب کو بھی صبر اور سچ کی تلقین کرتے ہیں وہ کہ حق صداقت اور استقامت ہی کامیابی کا راستہ ہے:

جہانِ شر کے ہر ابتلا میں
انہی کا حصہ ہے کامرانی
حیاتِ عقبیٰ کی شادمانی(۹۹)۔

خلاصۂ بحث:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ برصغیر میں جن شخصیات نے منظوم ترجمہ یا تفسیر کرنے کی سعی کی ہے ان میں

سے کوئی شخص بھی قرآنیات کا ماہر نہیں ہے، تفسیری ادب میں کوئی مستند کتاب ان اصحاب کی طرف منسوب نہیں ہے، مگر اس تلخ حقیقت کے باوجود بڑے بڑے علماء...... جن کو برصغیر میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے...... نے ان تراجم کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ ان کو ''درست اور مستند ترجمہ'' کا سرٹیفکیٹ بھی دیا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ ان اربابِ دین ودانش نے ان منظوم تراجم کو بالاستعاب پڑھا ہوگا؟ کیا ان کے پاس اتنا کثیر وقت تھا کہ وہ ان تراجم کو اول سے آخر تک اپنی نظر سے گزارتے؟ کیا چند مقامات کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جن مقامات کو نہیں دیکھا جاسکا ان میں کسی قسم کا سقم نہیں ہے۔ یہ کلام اللہ کا معاملہ ہے، یہ ہماری دین کی اساس کا مسئلہ ہے، اس لیے اصحابِ علم وفکر کو ''مستند ترجمہ'' کا سرٹیفکیٹ دینے سے قبل اُس کو اول تا آخر انتہائی عمیق نظر سے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہاں اگر قرآنی مطالب ومفاہیم کی منظوم ترجمانی ہو اور تفسیری اصولوں کے عین مطابق ہو تو اس کی پذیرائی کرنی چاہیے، کیونکہ نظم نثر کی نسبت زیادہ متاثر کرتی ہے۔

راقم کا اس مختصر مقالہ سے مقصود کسی مترجم کے کلام پر گرفت کرنا نہیں بلکہ محض اتنا مطلوب ہے کہ منظوم تراجم کی کتابیات مرتب ہوجائے جو اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ''خشت اول'' اور ''سنگِ میل'' کی حیثیت رکھتی ہو۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ طٰہٰ ۲۰: ۱۱۳

۲۔ ابراھیم ۱۴: ۴

۳۔ اس کا تذکرہ ڈاکٹر عظیم امروہی (ریسرچ اسکالر۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی، بھارت) نے سید شمیم رجز کے ترجمہ پر تبصرہ لکھتے ہوئے کیا ہے۔ دیکھیے تعارفی بروشر مثنوی آب رواں، ص ۸، کالم ۲۔

۴۔ ۱۱نمبر سے ۱۴نمبر تک کا تذکرہ سید معراج نیر نے کیا ہے، دیکھیے بروشر آب رواں، ص ۱۲۔

۵۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں نے سیماب اکبر بادی کے منظوم ترجمے پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا تذکرہ کیا ہے جو کہ فرید بکڈ پو انڈیا اور سیماب اکیڈیمی کراچی کے مطبوعہ کے آخر میں ہے۔ اس پر صفحہ نمبر درج نہیں ہے۔

☆ مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد، ماہنامہ فکر ونظر اسلام آباد، ص ۴۶۱۔ ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم کی تحقیق کے مطابق اس کا نام تفسیر چغتائی ہے، ان کی تحقیق میں یہ غیر مطبوعہ ہے جبکہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں اس کو مطبوعہ بتلاتے ہیں۔

۶۔ اعجاز فاروق اکرم، ڈاکٹر، ''برصغیر میں مطالعہ قرآن۔ تراجم وتفاسیر''، مشمولہ ''فکر ونظر'' برصغیر میں مطالعہ قرآن

نمبر، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد، ایڈیٹر: ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن صدیقی، جلد نمبر ۳۶، شمارہ نمبر ۳-۴، ص ۸۵۔

۷۔ غلام مصطفیٰ خاں، وڈاکٹر مسعود احمد، ۴۶۱۔

۸۔ اس کا تذکرہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے کیا ہے۔

۹۔ اس کا تذکرہ خود انہوں نے عطا قاضی کے ترجمہ پر تبصرہ لکھتے ہوئے کیا ہے، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ مسعود احمد، ص ۳۸۸۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۵۳۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۵۵۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

۱۵۔ ۲۹ تا ۳۳ نمبر تک کا ذکر ڈاکٹر مسعود احمد نے اپنے مقالہ میں کیا ہے، دیکھئے: ص ۴۵۵، ۳۸۴، ۴۶۲، ۴۵۰، ۳۸۶۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۶۲۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۸۴۔

۱۸۔ الانعام ۶: ۱۶۲۔۱۶۳

۱۹۔ عبدالسلام بدایونی، زاد الآخرۃ، مطبع نولکشور لکھنو، ج ا، ص ۴۴۴۔ اس میں پرانے اندازِ کتابت کو نئے اندازِ کتابت سے بدل دیا ہے۔ مثلاً ''بیگمان'' کو بے گماں سے، ''ای'' کو اے سے، ''حقتعالی'' کو حق تعالیٰ سے، ''ہین'' کو ہیں سے، ''اوس کا'' کو اُس کا سے، ''مسلمونسے'' کو مسلموں سے۔ اس تبدیلی کی ضرورت اس لیے پیش آئی تاکہ پڑھنے میں روانی برقرار رہے۔

۲۰۔ شائق ایزدی کے حالاتِ زندگی تو معلوم نہیں ہو سکے، البتہ تاریخ پیدائش کا اندازہ راقم نے اس طرح لگایا ہے کہ آپ نے اپنے منظوم ترجمے کا اختتام ۱۱ ستمبر ۱۹۲۳ء کو کیا ہے اور اس وقت اپنی عمر ۵۹ سال بتائی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ غالباً ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے، دیکھئے: شائق ایزدی، شمس الدین، منظوم اردو ترجمہ، کریمی پریس لاہور، ج ۳، ص ۲۹۶۴۔

۲۱۔ نقوش لاہور نمبر، مدیر: محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو لاہور، شمارہ نمبر ۹۲، ط: ۲، ص ۹۳۲-۹۳۳۔

۲۲۔ منظوم اردو ترجمہ، ج ا، ص ب۔

۲۳۔ ایضاً، ص ج۔

۲۴۔ ایضاً۔

۲۵۔ ایضاً، ج ۳، ص ۲۹۶۴۔

۲۶۔ الناس ۱۱۴:۶

۲۷۔ سبا ۳۴:۱۴

۲۸۔ الاحقاف ۴۶:۲۹

۲۹۔ منظوم اردو ترجمہ، ج ۳، ص ۲۹۶۴۔

۳۰۔ الحجرات ۴۹:۱

۳۱۔ منظوم اردو ترجمہ، ج ۳، ص ۲۴۷۴۔

۳۲۔ صدیقی، احمد حسین، دبستانوں کا دبستان کراچی، محمد حسین اکیڈمی کراچی۔۲۰۰۳، ج ا، ص ۲۲۹۔

۳۳۔ سیماب اکبرآبادی کے حالات و واقعات سے متعلق تمام تر تفصیلات آپ کے فرزند جناب مظہر صدیقی کے مضمون سے حذف و اختصار کے ساتھ اخذ کی گئی ہیں جو وحی منظوم کے آخر میں ہے۔

۳۴۔ جناب مظہر صدیقی کے علاوہ مولانا محمد حفظ الرحمٰن اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے بھی اس بات کا تذکرہ اپنی اپنی تقاریظ میں کیا ہے جو ''وحی منظوم'' کے آخر میں دی گئی ہیں۔

۳۵۔ مولانا حسین احمد مدنی کے تبصرے سے اقتباس ہے جو کہ اس ترجمے کے آخر میں دیا گیا ہے۔

۳۶۔ سیماب اکبرآبادی، وحی منظوم، فرید بکڈپو دہلی، ص ۹۶۹۔

۳۷۔ اثر زبیری لکھنوی، مجیدالدین احمد، سحر البیان، الحجاز پبلشرز کراچی، (س ن)، ج ا، ص ۱۸۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۹۔

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ ایضاً، ص ۷۔

۴۱۔ الاعراف ۷:۱۵۵، یہ جملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمراہیان کی ہلاکت پر مضطرب ہو کر کہا تھا۔

۴۲۔ سحر البیان، ج ا، ص ۱۰۔

۴۳۔ ق ۵۰:۱

۴۴۔ عبس ۸۰:۲۰-۲۱

۴۵۔ البقرۃ ۲:۹۶

۴۶۔ ھود ۱۱:۷۲

۴۷۔ الضحیٰ ۹۳:۷

۴۸۔ سحر البیان، ج ۲،ص ۱۴۷۶۔

۴۹۔ الناس ۱۱۴:۱-۶

۵۰۔ ''محمد پور'' رضوی سادات کی ایک قدیم بستی ہے جو ضلع کانپور (ہندوستان) کے قریب ہے۔

۵۱۔ آپ کی زندگی کا یہ مختصر سوانحی خاکہ ''آب رواں'' کے دوسرے حصے (مطبوعہ ۱۹۶۴ء) کے پس سرورق پر ''مصنف'' کے عنوان کے تحت درج' سے حذف واختصار کے ساتھ لیے گئے ہیں۔

۵۲۔ ایضاً۔

۵۳۔ شمیم رجز، سید، آب رواں دوسرا حصہ، رائٹرز اکیڈیمی لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۱۱۔

۵۴۔ عبدالعزیز خالد، فرقان جاوید، مقبول اکیڈیمی لاہور، اگست ۱۹۸۸ء، ص ۹۵۵۔

۵۵۔ القصص ۲۸:۱۶

۵۶۔ منظوم ترجمہ کرنے کی داستاں اور آپ کے حالات زندگی جناب خود میرزا خادم ہوشیار پوری کے مقدمہ سے اور غلام مصطفیٰ انجم جالندھری نے جو میرزا صاحب کا تعارف کرایا ہے اس سے حذف و اختصار کے ساتھ اخذ کیے گئے ہیں۔

۵۷۔ عطاء قاضی کے حالات مختلف تقاریظ میں منتشر اور غیر مربوط انداز میں تھے، راقم نے ان کے حالات کو مختصراً یکجا اور مربوط کر دیا ہے۔

۵۸۔ النور ۲۴:۳۹

۵۹۔ عطا قاضی، مفہوم القرآن، ادبی سبھا پسرور، ج ۲، ص ۶۲۶۔

۶۰۔ یہ تفصیل خود مصنف نے راقم کے نام خط مرقومہ بتاریخ ۲۹ مئی ۲۰۰۸ء میں مہیا کی۔

۶۱۔ انجم عرفانی، منظوم القرآن (پارہ ۲۶ تا ۳۰)، لکھنؤ، رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ/ اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۳۔

۶۲۔ احمد حسین قریشی قلعہ داری، پروفیسر ڈاکٹر، مثنوی مفاہیم القرآن، ادارہ اشاعۃ القرآن ''القرشیہ'' قلعہ دار، رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء، ج ۱، ص ۹؛ ج ۲، ص ۱۷۷۵۔

۶۳۔ ایضاً، ج ۱، ص ۴۔

۶۴۔ ایضاً۔

۶۵۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۵۳۱۔

۶۶۔ امین میاں، محمد، نظم القرآن، جڑانوالہ فیصل آباد، رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ، ص ۸۸۳۔

۶۷۔ سید ظفر ہاشمی غالب کے شاگرد خان بہادر رضا علی وحشت کے شاگرد تھے۔

۶۸۔ انعام الحق کوثر، پروفیسر ڈاکٹر، بلوچستان میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر، مشمولہ فکر و نظر (برصغیر میں مطالعہ قرآن نمبر)، ص ۳۶۱۔

۶۹۔ یہ نمونہ کلام جناب ڈاکٹر انعام الحق کوثر صاحب کی وساطت سے حاصل ہوا۔

۷۰۔ جناب ڈاکٹر انور سدید نے روزنامہ نوائے وقت لاہور کے سنڈے ایڈیشن مورخہ ۱۹ فروری ۲۰۰۶ء میں، ناصر زیدی نے روزنامہ پاکستان میں، اسرار زیدی نے اخبار جہاں (۱۰ سے ۱۶ اپریل ۲۰۰۶ء) میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ کوثر وڑائچ نے خود بھی راقم سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۷۱۔ نمونہ کلام اور مختصر سوانحی خاکہ خود شجاع صاحب سے حاصل کیا۔

۷۲۔ عبدالرؤف اورنگ آبادی، سید، مولانا شاہ غلام مرتضیٰ جنون اور ان کی تفسیر مرتضوی منظوم اردو، مشمولہ معارف اعظم گڑھ، مدیر: شاہ معین الدین احمد ندوی، ج ۱۱۰، عدد ۶، ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ/ دسمبر ۱۹۷۲ء، ص ۴۶۲-۴۶۳۔

۷۳۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق، پرانی اردو میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر، مشمولہ سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر)، ج ۲، ص ۱۷۳۔

۷۴۔ مولانا شاہ غلام مرتضیٰ جنون اور ان کی تفسیر مرتضوی منظوم اردو، ص ۴۶۴۔

۷۵۔ النازعات ۷۹: ۲۳-۲۴

۷۶۔ البقرہ ۲: ۸۸۔

۷۷۔ حسین بخش سوداگر، نظم القرآن بزبان اردو، مطبع صحافی لاہور، ۱۳۰۴ھ، ص ۴۱۔

۷۸۔ ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم، برصغیر میں مطالعہ قرآن، ص ۸۴۔

۷۹۔ ایضاً

۸۰۔ الاعراف ۷: ۷۸

۸۱۔ آل عمران ۳: ۱۹

۸۲۔ خواجہ دل محمد، روح قرآن، خواجہ بکڈپو لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۹۲۔

۸۳۔ صدیقی، احمد حسین، دبستانوں کا دبستان کراچی، محمد حسین اکیڈمی کراچی، اگست ۲۰۰۵ء، ج ۲، ص ۱۸۰۔

۸۴۔ ایضاً،ص ۱۸۱۔

۸۵۔ ایضاً

۸۶۔ دلاور فگار، آبشارِ نور، ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، (س۔ن)،ص ۲۔

۸۷۔ دبستانوں کا دبستان، ج ۲،ص ۱۸۲۔

۸۸۔ آبشارِ نور،ص ۱۵۔

۸۹۔ پروفیسر سید خورشید حسین بخاری فارسی کے استاذ تھے، ایک عرصہ تک گورنمنٹ گورونا نک ڈگری کالج ننکانہ صاحب میں بھی رہے، انتقال کر چکے ہیں۔

۹۰۔ البقرہ ۲:۱۵۴

۹۱۔ رشید احمد چوہدری، تنظیم القرآن، مکتبہ تنظیم القرآن مانانوالہ،ص ۴۹۔

۹۲۔ البقرہ ۲:۲۵۷

۹۳۔ تنظیم القرآن،ص ۷۸۔

۹۴۔ عقیل روبی کے حالات و واقعات خود انٹرویو کر کے معلوم کیے ہیں۔

۹۵۔ یہ تمام تر معلومات براہِ راست حاجی عمر الدین صاحب سے حاصل کیں۔

۹۶۔ التوبہ ۹:۱۲۳

۹۷۔ عمر الدین، حاجی، نظام القرآن، ناشر: حاجی عمر الدین جلہ ج (میلسی، وہاڑی)، ج ا،ص ۹۴۴۔

۹۸۔ ساجد مراد آبادی، سجاد احمد، لوح محفوظ سے، الخلیل پاکستان ایجوکیشن ویلفیئر سوسائٹی کراچی، اگست ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۷۔

۹۹۔ مجلہ شرق ۲۰۰۱ء، اورینٹل کالج جامعہ پنجاب۔

☆......☆......☆......☆